اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد ۲۷
شمارہ ۲

جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ
نومبر ۱۹۹۱ء

بانی: حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مدیر معاون: عبدالقیوم حقانی

مدیر: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ناظم: شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم ۳۴۰ / ۳۴۱ / ۴۳۵ کوڈ نمبر ۰۵۲۴۹

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ ۵۰/- روپے فی پرچہ ۵/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۸/- پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۱۲/- پونڈ
سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "الحق" دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

نقشِ آغاز

وسطِ ایشیا کی نو آزاد مسلم ریاستوں کے ایک ہزار طلبہ کو اعلیٰ دینی تعلیم دلانے کیلئے دار العلوم حقانیہ کے مہتمم کی پیش کش

اسلام آباد ۹ دسمبر دار العلوم حقانیہ کے مہتمم سینیٹر مولانا سمیع الحق نے سوویت یونین کے نو آزاد مسلم ریاستوں کے ایک ہزار طالب علموں کو اپنے ادارہ دار العلوم حقانیہ اور حلقہ اثر تک کے دیگر اعلیٰ تعلیمی اداروں میں اعلیٰ دینی تعلیم کے لیے تمام سہولتیں مفت فراہم کرنے کی پیشکش کی ہے مولانا سمیع الحق نے کہا ایسے طالب علموں کے لیے قیام وطعام وغیرہ کی جملہ آسائشیں بھی فراہم کی جائیں گی مولانا سمیع الحق نے یہ اعلان آج اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے کیا اور کہا ان نو آزاد مسلم ریاستوں کی اس وقت اولین ضرورت اقتصادی اور تجارتی روابط سے بڑھ کر دینی علوم کی تعلیم کی سہولتیں میسر کرانا ہے کیونکہ وہاں دینی مدارس علماء اور اساتذہ کا سلسلہ نہ ہونے کے برابر ہے اور وہاں کے مسلمان قرآن وسنت اور اسلامی احکام کی تعلیم کے لیے جید علماء کے محتاج ہیں اور یہ پاکستان اور اعلیٰ حکومتوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کی یہ ضرورت فوری طور پر پوری کرے مولانا سمیع الحق نے کہا کہ ہمارے ہاں اعلیٰ دینی تعلیم کے سرکاری ادارے نہیں ہیں اس کے لیے ہم اپنے اداروں کے ذریعہ یہ ضرورت اعلیٰ طریقہ سے پوری کرا سکتے ہیں جبکہ ہمارے اسلامی علوم کے ذخیرہ علوم قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کی ارتقاء اور تدوین ان ہی ریاستوں کے جید فقہاء اور علماء کی مرہون منت ہے مولانا سمیع الحق نے کہا کہ ہم فوری طور پر ایسے طلباء کے لیے طویل المیعاد کورسوں کے علاوہ مختصر المیعاد کورس بھی بنا سکتے ہیں مولانا سمیع الحق نے کہا کہ اب یہ حکومت کا فریضہ ہے کہ ان دنوں جبکہ آذربائیجان وغیرہ مسلم ریاستوں کے وفود پاکستان کا دورہ کرنے والے ہیں ہماری اس پیشکش سے انہیں آگاہ کرے اور وہاں کی مسلم ریاستوں سے ہماری اس پیشکش کے مسئلہ میں رابطہ قائم کرکے ایسے طلباء کو جلد از جلد پاکستان آنے کی سہولت مہیا کرے۔ (پریس ریلیز)

کسی بھی قوم کے لیے سب سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ وہ صحیح تربیت اور قومی شعور سے خالی ہو۔
آج دنیا کے نقشے میں مسلمان قوم جو ہر لحاظ سے ہر طرح کی صلاحیتیں رکھتی ہے دینی اور دنیوی دولتوں

سے بھی مالامال ہے ـــــ مگر بدقسمتی سے من حیث القوم اسے نیک و بد کی تمیز نہیں رہی وہ اپنے دوست دشمن کے پہچان میں انجان ثابت ہو رہی ہے وہ اپنے پچھلے تجربوں سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت کھو بیٹھی ہے ۔ اپنے رہنماؤں اور قائدین کا احتساب کرنے، قومی مجرموں کو سزا دینے کی جرأت باقی نہیں رہی وہ خود غرض رہنماؤں کی چرب زبانی اور شیریں کلامی سے مسحور ہو جاتی ہے اور ہر مرتبہ نیا دھوکہ کھانے کے لیے تیار رہتی ہے آج مسلمان قوم من حیث القوم اپنے کردار و عمل اور اجتماعی ترجیحات کی بنا پر اپنی تمام تر دینی ترقیات اور دنیوی سرفرازیوں کے باوصف قابل اعتماد نہیں رہی وہ پیشہ ور اور خود غرض رہنماؤں اور منافق قائدین کا کھلونا بن چکی ہے ان کو قوم کی سادہ لوحی اور بے شعوری کی بنا پر من مانی کارروائیاں کرنے کا موقع ملتا ہے اور ان کو اس کا اطمینان ہوتا ہے کہ کبھی ان کا محاسبہ اور ان سے باز پرس نہیں کی جائے گی ۔

تمام مسلم ممالک اور وسط ایشیا کی نو آزاد مسلم ریاستوں کے متعلق اگر ہم یہ کہنے سے احتیاط کریں کہ خالص دینی بیداری اور اسلامی انقلابی شعور سے بالکل محروم ہیں تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کا خالص مذہبی شعور بہت کمزور ہے وہ بیداری کی ابتدائی منزل میں ہیں یہی وجہ ہے کہ آج بھی ذلت و ادبار اور پٹنے و لٹنے کے باوجود بھی خیر خواہ اور بدخواہ کے ساتھ ان کا معاملہ تقریباً یکساں ہے بلکہ بدقسمتی سے مسلمانوں کے بدخواہ اور غیر مخلص اشخاص اور اقوام مسلمانوں کے ہر دلعزیز اور ان کے معتمد ساتھی بنتے جا رہے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ " مومن سانپ کے ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسا جاتا" لیکن مسلمان ممالک کے باشندے ہزار ہزار بار ڈسے جانے کے لیے تیار رہتے ہیں' اور اب وسطی ایشیا کی نو آزاد مسلم ریاستوں کو بھی انہی مراحل سے گزارا جا رہا ہے ۔

بدقسمتی سے آج اسلامی تعلیمات سے بُعد اور منصب نبوت پر اعتماد میں ضُعف کے پیش نظر مسلمانوں کا حافظہ بھی نہایت کمزور ہو چکا ہے وہ اپنے قائدین اور رہنماؤں کے ماضی بلکہ ماضی قریب ہی کے واقعات کو بھی فوراً بھول جاتے ہیں ان کا دینی اور اسلامی شعور کمزور اور انقلابی سیاسی شعور تقریباً ناپید ہے یہی وجہ ہے کہ آج وہ غالب قوموں، خود غرض طاقتوں بالخصوص امریکی نیو ورلڈ آرڈر کے لیے بازیچۂ اطفال بنے ہوئے ہیں ۔

جبکہ اس کے بالعکس مغربی اقوام روحانی اور اخلاقی افلاس اور تمام تر خرابیوں کے باوجود شہری، سیاسی اور قومی شعور کی مالک ہیں وہ سیاسی بلوغ کو پہنچ چکی ہیں وہ اپنے نفع و نقصان کو پہچانتی ہیں وہ مخلص و منافق، اہل و نااہل کے فرق کو جانتی ہیں وہ اپنی قیادت ایسوں کے سپرد نہیں کرتیں جو نااہل ،

ضعیف اور خائن ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ قومیں سیاسی پیشہ وروں اور نااہل اور خائن راہنماؤں سے محفوظ ہیں ان کے سیاسی رہنما اور ان کے نمائندے بھی محتاط اور امانت دار بننے پر مجبور ہیں وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں قوم کی سرزنش عوام کے عتاب و احتساب اور رائے عامہ کی قہرناکی سے لرزہ براندام رہتے ہیں۔

اگر خدانخواستہ یہ نوآزاد مسلم ریاستیں بھی اسی ڈگر پر چل پڑیں اور ان کے دینی، اسلامی، انقلابی، تہذیبی اور فکری و تعلیمی تربیت کا اہتمام نہ کیا گیا تو ان کا رخ بھی آسانی کے ساتھ ہر طرف موڑا جاسکتا ہے بڑی طاقتیں اور اسلام دشمن قوتیں ان کی مرضی کے خلاف فیصلے کرتی رہیں گی اور جس طرف چاہیں گی ایک لاٹھی سے ہانک کرلے جائیں گی ——— جب عام اسلامی ممالک میں آزادی اور خود مختاری کے باوجود معیار اور قدریں بگڑ چکی ہیں انسانیت کی جڑیں ایک مجرمانہ عشرت پسندی اور دوسری طرف نامرادی محرومی اور غیر ملکی تسلط و اقتدار اور ان کی جارحانہ پالیسیوں کے ہاتھوں کھوکھلی ہو رہی ہیں ——— پھر نوآزاد مسلم ریاستوں میں تو ۹۰ سال سے ایمان و اسلام اور اخلاقی اقدار کو گھن لگا رہا دلوں سے ان کی عظمت نکلتی رہی اور جاہلیت قدیمہ کی طرح صرف چند بے جان اور بے روح مراسم کا نام مذہب باور کرایا جاتا رہا ہے ——— لاریب انہیں آزادی حاصل ہوگئی اور وہاں اسلامی ریاستوں کی تشکیل اور مسلمان حکومتوں کے قیام اور ان کے استحکام کا عمل شروع ہوچکا ہے مگر اس کے باوجود وہاں دینی تعلیم کے فقدان اور مذہبی تربیت کے مستحکم اداروں کے ناپید ہونے کی وجہ سے انسانی ضمیر گندہ، روح متعفن اور جاہلی روایات اور فرضی رسومات کا تسلط تاہنوز برقرار ہے۔

اس وقت نوآزاد مسلم ریاستوں کے مادی تعاون سے بڑھ کر اقدم اور ان کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ شہریوں کے تمام طبقات اور عوام میں صحیح دینی اور اسلامی شعور پیدا کیا جائے جمہور کی عقلی، مدنی، علمی، دینی اور سیاسی تربیت کی جائے وہاں سکولوں کی کثرت یا مراعات یافتہ طبقہ کے اقتدار اور غلبہ یا خود کو روسی تسلط سے آزاد کرالینے کی ہمت اور دنیا سے اپنی آزاد ریاستوں کے تسلیم کروالینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قوم میں اسلامی اور دینی شعور بھی موجود ہے اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ آزادی کی تحریکوں اور انقلابی کردار سے شعور کے بیدار کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے لیکن شعور پیدا کرنے کے لیے بہرحال مستقل جد و جہد کی ضرورت ہے مستقل دینی اداروں، آزاد جامعات اور مسلم ممالک میں ان کی بھرپور تربیت کی ضرورت ہے۔

وسطی ایشیا کی نوآزاد مسلم ریاستوں میں دلچسپی رکھنے والے تمام اسلامی ممالک مسلمان رہنماؤں، دینی

قیادت تعلیمی اداروں تبلیغی تحریکوں کے رہنماؤں اور اصلاحی کام کرنے والوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ جس قوم میں بھی فکر و تدبر کی کمی ہے منصب نبوت کی پہچان اور اس پر اعتماد کا فقدان ہے اسلامی انقلاب اور اس کے فکری لائحہ عمل سے وقوف نہیں ہے وہ قوم ہرگز اعتماد کے لائق نہیں خواہ اس کو اپنے انقلاب اور اپنے قائدین پر کتنا ہی اعتماد ہو اور وہ ان کی پیروی اور اطاعت میں کیسی ہی چستی اور سرگرمی دکھاتے اور ان کی دعوت پر کتنی ہی عظیم قربانیاں پیش کرے۔ اس لیے کہ جب تک اس کا شعور تیار نہیں، وہ اسلامی انقلاب کے ثمرات جانتی نہیں اسے نظامِ اسلامی کی جامعیت و ہمہ گیری معلوم نہیں جب تک وہ دینی اعتبار سے بالغ نظر اور پختہ خیال نہیں ہوتی ہر آن اور ہر لمحہ اس کا خطرہ ہے کہ وہ کسی دوسری دعوت اور کسی دوسری تحریک کا آلۂ کار بن جائے گی اور آن کی آن میں آزادی کی تمام جد و جہد، قربانیوں کے تمام ریکارڈ اور انقلاب کی تمام تر توقعات پر پانی پھر جائے گا۔

یہ اسلامی شعور دینی تعلیم اور قرآن و سنت کے علوم ہی کی برکت تھی کہ بنی اُمیّہ کو اپنا شاہی اقتدار قائم رکھنے میں بڑی زحمتیں پیش آئیں اسلامی شعور دینی روح اور قرآنی تعلیم نے بارہا اس کے اقتدار کے خلاف سخت احتجاج کیا اور بارہا اس عرب شاہی کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا اموی فرمانرواؤں کو اس وقت تک سکون و اطمینان حاصل نہیں ہوا جب تک کہ وہ نسل ختم نہیں ہوگئی جس نے اسلامی اصولوں پر تربیت پائی تھی اور جو خلافتِ اسلامی اور اسلام کے نظامِ حکومت اور طریقِ حکمرانی سے عشق رکھتی تھی اور اس سے انحراف کو بدعت اور تحریف کا مترادف سمجھتی تھی۔

بہرحال یہ ایک امر واقعہ ہے کہ کسی طرح کی اصلاح کوئی تحریک اور کوئی معاشی یا سیاسی انقلاب شعور کی بیداری اور ذہنوں کی تیاری کے بغیر وقوع میں نہیں آتا۔

اگر عالمِ اسلام واقعۃً بھی وسطی ایشیا کی مسلم ریاستوں میں اسلامی انقلاب کا خواہاں ہے تو اسے وہاں پر دینی تعلیم اور اسلامی شعور کی بیداری کا کام کرنا ہوگا اور اگر حکومت پاکستان حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کے مطالبے کو منظور کرکے وہاں کے مسلمانوں اور اربابِ حکومت کو یہ پیغام پہنچا دیتی ہے اور وہاں سے ایک ہزار طلبہ یہاں آکر قرآن و سنت کی تعلیم حاصل کرکے اپنے ملک چلے جاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ وہاں کے ایک ہزار حلقوں میں دینی شعور کی بیداری کا کام شروع کردیں گے جس دینی جذبے اور اسلامی حریت اور ولولہ جہاد سے ان ریاستوں کی آزادی کی تحریکیں کامیابی سے ہمکنار ہوئی ہیں اب اسی جذبہ جہاد اور نظریاتی اساس کا تحفظ دینی تعلیم ہی کی ترویج سے ممکن ہوسکتا ہے۔

اور جب دینی تعلیم کا فقدان ہو، جب نظامِ اسلام کا نفاذ نہ ہو جب اسلامی شعور بیدار نہ ہو تو پھر دیگر مسلمان ممالک کی طرح ان نوآزاد مسلم ریاستوں کے قائدین اور اہل اقتدار سے بھی کچھ بعید نہیں کہ وہ کبھی اپنے حقیر فائدہ یا لذت و خواہش کے ماتحت اپنے ملک کو رہن رکھ دیں یا اس کا بیعنامہ کر دیں یا اپنی ہی قوم کو بھیڑ بکری کی طرح فروخت کر دیں یا اپنی قوم کو کسی ایسی جنگ میں جھونک دیں جو اس کی مرضی اور مصلحت کے خلاف ہو ولا فعلہا اللہ۔

اکثر اسلامی ممالک میں اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ سامنے آتی رہی ہے کہ قوم اس سب کچھ کے باوجود ایسے قائدین کی قیادت کا جھنڈا لے کر چلتی ہے وہ ان کی زندگی کے نعرے لگاتی ہے ان کی تعریف میں رطب اللساں رہتی ہے یہ صورتِ حال اس کے سوا اور کس بات کی دلیل ہے کہ قوم کا ضمیر مردہ، اور اس کے قوائے فکریہ معطل اور وہ شعور کی دولت اور دینی تعلیم کے برکات سے محروم ہے۔

آج بھی بہت سے مسلمان ملکوں میں عوام کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کیا جاتا ہے جہاں عوام صرف محنت و مشقت کے لیے اور خواص صرف عیش و عشرت کے لیے ہیں اللہ تعالٰی کی کھلی کھلی نافرمانیاں ہوتی ہیں اور انسانیت سوز افعال و جرائم کا ارتکاب ہوتا ہے شریعت کے احکام پامال کئے جاتے ہیں لیکن نہ عوام اور جمہور مسلمین میں اس سے غم و غصہ کی کوئی لہر اٹھتی ہے اور نہ کسی قلب کو اس سے اذیت پہنچتی ہے یہ سب درحقیقت انسانی غیرت، اسلامی خودداری اور قرآن و سنت کی تعلیم اور دینی بیداری کے فقدان کا نتیجہ ہے جو نہایت ہی خطرناک صورتِ حال ہے۔

اس میں شک نہیں کہ نوآزاد ریاستوں میں آزادی کا انقلاب آگیا ہے اور جس کے پس منظر میں جہادِ افغانستان ہی کے برکات اور ثمرات ہیں مگر اب بیرونی لابی بالخصوص بڑی طاقتیں افغانستان سمیت ان نوآزاد مسلم ریاستوں کو بھی دیگر مسلمان ممالک کی طرح اسلام سے بھی آزاد کرا دینا چاہتی ہیں۔

اس لیے ہمارے نزدیک کسی انقلاب اور کسی بغاوت کی کوئی قیمت نہیں جب تک کہ اس کی بنیاد میں کوئی پختہ عقیدہ، فکرِ صحیح اور تربیت یافتہ اور عاقلانہ شعور نہ ہو جب تک کہ رائے عامہ پورے طور پر تیار نہ ہو اس وقت تک کسی تحریک کی کامیابی، کوئی سیاسی انقلاب کوئی آزادی کا انقلاب اور کوئی وزارت یا حکومت کی تبدیلی کوئی اہمیت نہیں رکھتی اور بالکل قابلِ اعتبار نہیں ہے مگر قوم میں ان افعال اور اس روّیہ سے نفرت نہیں ہے تو ایک غلط شخص یا غلط جماعت کی جگہ پر دوسرا غلط شخص اور دوسری غلط جماعت آسکتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ قوم کو اس کا احساس بھی نہ ہونے پائے اس لیے اصل قابلِ اعتبار چیز یہ ہے کہ قوم کا ضمیر اور شعور اتنا بیدار ہو جائے کہ وہ کسی غلط چیز اور مجرمانہ فعل کو کسی حالت میں اور کسی شخص کیلئے

بھی برداشت نہ کر سکے ۔

اس وقت وسطی ایشیا کی نو آزاد مسلم ریاستوں کی بہت بڑی خدمت اور اولین ضرورت یہ ہے کہ وہاں کے مسلمانوں میں قرآن و سنت کی تعلیم، نظامِ اسلام کی جامعیت اور اسلامی انقلاب کا صحیح شعور پیدا کیا جا سکے ایسا شعور جو نہ کسی ظلم و ناانصافی کو برداشت کر سکے اور نہ دین و اخلاق سے انحراف کو، جو صحیح اور غلط، خلوص اور نفاق، کفر اور اسلام، دوست اور دشمن، مصلح اور مفسد کے درمیان آسانی سے تمیز کر سکے۔ مجرم ان کی ناراضگی اور عتاب سے نہ بچ سکیں اور مخلص ان کے اعتراف اور قدرشناسی سے محروم نہ رہیں۔

اگر دینی تعلیم اور اسلامی شعور کی بیداری پر پوری توجہ دی گئی اگر دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق کی اس پیشکش کو واقعۃً عملی دنیا میں برتنے کے لیے حکومتی سطح پر رابطہ اور وہاں کے طلبہ کو یہاں آنے کی اجازت دیدی گئی تو یقیناً اس کے مثبت اثرات ظاہر ہوں گے قرآن و سنت کی تعلیم کو فروغ حاصل ہوگا دینی بیداری اور اسلامی انقلاب کی لہر اٹھے گی یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر جانے والے علماء کا وہاں پر دینی کردار ہوگا وہ اپنے تمدنی، سیاسی، اجتماعی اور دینی مسائل و معاملات میں ایک عاقل و بالغ انسان کی طرح غور کر سکیں گے ان میں فیصلہ کرنے کی صلاحیت ابھرے گی جب تک یہ شعور پیدا نہ ہو کسی بھی اسلامی ملک و قوم کا جوشِ عمل، صلاحیتِ کار، دینی جذبات اور مذہبی زندگی کے مظاہر و مناظر اور محض آزادی کی عظیم قربانیاں کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔

(عبدالقیوم حقانی)
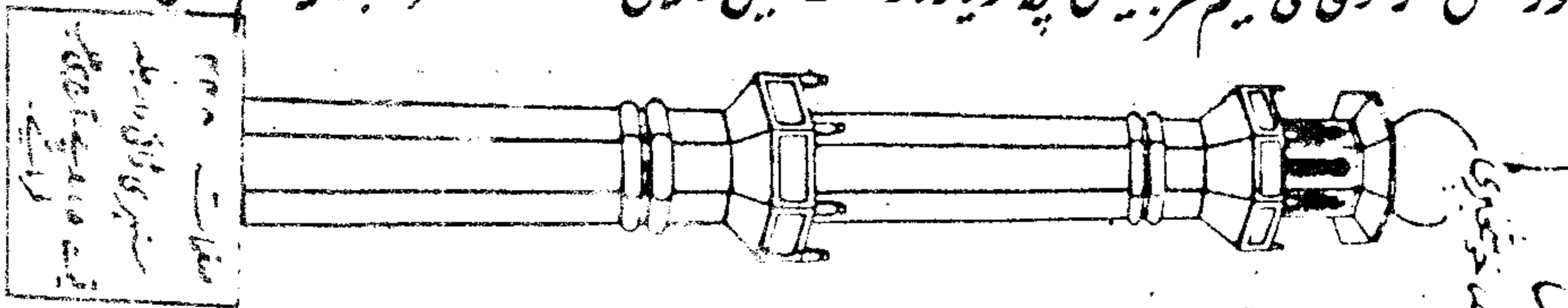
مولانا عبدالقیوم حقانی

اسلام کی مسافرت و اجنبیت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا: "بدأ الاسلام غریبًا وسیعود غریبًا کما بدأ، فطوبیٰ للغربا" اس ارشادِ نبوی کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام اپنے مزاج، اپنے منشاء، اپنے مقصد اور اپنے طریق کار کے لحاظ سے اپنے ابتدائی دور میں دنیا کے عام لوگوں کے لیے بالکل اجنبی اور نامانوس تھا لوگوں کے لیے اس کو صحیح طور پر سمجھنا آسان نہیں تھا، پھر وہ دور آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست جدوجہد اور معجزانہ تربیت کے نتیجہ میں اسلام کی یہ اجنبیت ختم ہوتی گئی اسلامی عقائد، تعلیمات، نظام سیاست اور اس کے انفرادی اور اجتماعی ثمرات عیاں ہوگئے اور دنیا کے لوگ اس کے مزاج سے مانوس ہو گئے، لیکن حضورؐ کے مندرجہ ارشاد کے مطابق تھوڑی مدت کے بعد ایک بار پھر پہلے ہی کی طرح اسلام کی حقیقت لوگوں کے لیے اجنبی اور نامانوس ہو جائے گی۔ اس زمانہ میں جو لوگ اس اجنبی اسلامی مزاج کو مضبوطی سے تھامے رہیں گے اور بجائے اس کے کہ وہ خود اجنبیت سے گھبرا کر اپنے کو عام رنگ میں رنگنے لگیں، وہ عام طور پر بگڑے ہوتے مزاج کو درست کرنے اور حقیقی اسلامی مزاج کو عام کرنے کی کوشش میں لگے رہیں گے ان کے لیے بڑی خوشخبری ہے۔ (فطوبیٰ للغربا)

اس ارشادِ نبوی کو ذہن میں رکھیے اور غور کیجیے کہ آج اسلام کی غربت و اجنبیت اور مسافرت کا کیا حال ہے؟ دنیا کے عام انسان اسلام کے بارے میں کیا سوچتے ہیں اور ان کے ذہنوں میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں کیا تصورات ہیں؟ اگر آپ اپنی آنکھوں کانوں اور دل و دماغ کے دریچوں کو کھلا رکھتے ہیں اور اپنے ہم وطن مسلمانوں سے روزمرہ کی ملاقاتوں میں، دوران سفر ٹرینوں، بسوں یا ہوائی جہازوں میں، یا صبح کی سیر کے موقع پر باتیں کرتے ہیں اور اخبارات و رسائل پڑھتے رہتے ہیں یا کسی مسلمان سیاسی جماعت کے اراکین و عہدیدار، ممبران اور قائدین کی زندگی کے اہداف دیکھتے ہیں اپنے ملک کی پارلیمنٹ حکمران اور ممبران اسمبلی کا کردار دیکھتے ہیں رعایا حاکم یا محکوم کی زندگی کے کسی گوشہ پر نظر ڈالتے ہیں کسی بھی عنوان کو لے کر بات

کرتے ہیں تو روزانہ ہی آپ کے سامنے یہ افسوسناک حقیقت آتی ہوگی کہ اسلام کے بارے میں ہزاروں بے بنیاد بلکہ مضحکہ خیز خیالات لوگوں کے دماغوں میں راسخ ہیں پھر عام لوگ ہی نہیں تعلیم یافتہ طبقہ، وکلاء کا طبقہ، قومی قیادت کا طبقہ، تعلیم یافتہ طبقہ۔ اسلام کا نام جب ان لوگوں کے سامنے آتا ہے تو ان کے ذہنوں میں عرس قوالی، طوائف بازی، قبر پرستی، پیر پرستی، نذر و نیاز، نوحہ ماتم، نوروز، تیجہ، چالیسواں، جلسے جلوس نعرے بازی، ہنگامہ آرائی وغیرہ کے وہ سب تماشے آجاتے ہیں جن سے ملتے جلتے تماشوں کے وہ عادی ہیں، کبھی آپ نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا ہوگا کہ اسلام نام ہے ختنہ کرانے کا، گوشت کھانے اور نکاح کرنے کا جس قسم کی خبریں دنیا کے عام انسانوں اور ممالک کے بارے میں آتی ہیں اسی قسم کی خبریں مسلمانوں اور ان کے ممالک کے بارے میں بھی آتی ہیں۔

الغرض آج کسی بھی مرحلہ پر دنیا کے لوگوں کے سامنے کوئی ایسی بات نہیں آتی جس سے وہ اسلام کو ایک بالکل منفرد پیغام رحمت اور دستور سعادت کی حیثیت سے دیکھیں اور مسلمانوں کو دیکھ کر ان کے اعمال و اخلاق سے متاثر ہوکر اسلام کی عظمت کے قائل ہو جائیں اور اس پر اس پہلو سے غور کریں نہ ان کو ایسے مسلمانوں سے سابقہ پڑتا ہے جن کا سوچنے کا انداز بالکل جداگانہ ہو اور جو اپنے اخلاق، انسانیت دوستی، بے لوثی دلی دردمندی، کردار کی صفائی، دیانت و امانت اور خیر خواہی کا سکہ دلوں میں جمادیں اور کچھ سوچنے پر مجبور کر دیں یہ تو ہوئی بات غیروں کی، خود مسلمان کہلانے والوں پر نظر ڈالیے تو آپ دیکھیں گے کہ ہماری غالب اکثریت صحیح اسلامی مزاج سے بالکل ناآشنا اور نامانوس ہے۔ اگر آپ اللہ کی کتاب قرآن مجید اور پیغمبر اسلام محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے مسلمانوں سے یہ کہیں کہ موجودہ حالات میں صبر و تحمل سے کام لینا چاہیئے۔ ہمیں جنون کا مقابلہ جنون سے نہیں بلکہ بڑی عقلمندی اور دانشمندی سے کرنا چاہیئے۔ ہمارے اندر اپنے جذبات پر قابو رکھنے کی زبردست استعداد ہونی چاہیئے، اور اپنے وقت، اپنی جان اور اپنے مال کو صرف کھانے کمانے اور گلچھرے اڑانے میں نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ اپنی تعمیر نو کے تقاضوں اور اجتماعی مسائل کے حل کے لیے صرف کرنے کی عادت ہونی چاہیئے نفرت کا مقابلہ اندھی نفرت سے کرنے کے بجائے حقیقت پسندی اور حکمت سے کرنا چاہیئے، اشتعال انگیزی کی کوششوں کا جواب ہمیں اس طرح دینا چاہتے کہ ہم مشتعل نہ ہوں بلکہ صبر، بردباری، اور عقل و ہوش سے کام لیں۔ ہمیں مسجدوں کو اعمال مساجد سے معمور کرنے نماز قائم کرنے اور نماز کے مزاج کے مطابق اپنی تربیت کی سب سے زیادہ فکر ہونی چاہیئے۔ اور ہمیں اس بات سے باخبر رہنا چاہیئے کہ کچھ لوگ یہ چاہ رہے ہیں کہ مسجدوں میں ایسے کام ہوں جن کی وجہ سے حکام کو مسجدوں پر دست درازی کا بہانہ ہاتھ آجائے۔ باہمی دنگل فساد ہو جیسا کہ پنجاب اور سندھ

کے بعض اضلاع میں خود مسلمانوں نے ایسے کام شروع کر کے جگ ہنسائی کا باعث بنے ہوتے ہیں۔

اگر آپ آج کل اس طرح کی باتیں عام مسلمانوں سے کریں گے تو آپ کو خدا جانے کیسے کیسے تجربے ہوں گے اور اللہ جانے کیا کیا آپ کو کہا جاتے گا؟ اور تب آپ کو اس کا عملی تجربہ ہوگا کہ عوام تو عوام خواص بھی اسلام کے مزاج سے کتنے غافل اور دوسروں کے کس قدر نقال ہوگئے ہیں؟ اور انبیاء علیہم السلام کے مزاج سے کتنا بُعد اور خدا ناشناس لیڈروں کے مزاج سے کتنا قرب اور کس درجہ مناسبت آج مسلمان کہلانے والوں کو بلکہ ان کے بہت سے رہبروں کو ہوگئی ہے؟ یہی وہ حالت ہے جس کے بارے میں ایک قرآنی آیت کا مفہوم ہے کہ جب ان لوگوں کے سامنے کامیابی کا راستہ آتا ہے تو اسے نہیں اختیار کرتے اور جب تباہی و گمراہی کا راستہ آتا ہے تو اسے اختیار کر لیتے ہیں یہ ۱۹ دسمبر کو جو پارلیمنٹ میں دھینگا مشتی ہوئی حکومت اور حزب اختلاف کے رہنماؤں اور ممبران اسمبلی نے جس گھٹیا کمزور اور حد درجہ گرے ہوئے اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ اس کے بعد ان لوگوں سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ یہ لوگ نفاذ شریعت کی پیش رفت کا کام کر سکیں گے۔ بظاہر ان کے اخلاق ان کی تعلیم ان کی ساخت و پرداخت اور ان کے اب کے اعمال سے ایسی تمام توقعات عبث ہیں۔ ع

مرا از خیر تو امید نیست بد مرسد

لیکن یاد رکھیئے کہ انہی حالات میں جو لوگ صحیح اسلامی مزاج پر استقامت کا ثبوت دیں گے اور اسے عام کرنے کی مخلصانہ جدوجہد کریں گے انہی کے بارے میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے وہ عظیم خوشخبری نکلی تھی جس کا حوالہ اس مضمون کے آغاز میں دیا گیا تھا۔

ان سطروں کے ذریعہ ہم ایسے ہی باتوفیق اور خوش نصیب دینی بھائیوں سے اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے ہوتے یہ گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ ہمیں ان حالات سے ہرگز مایوس اور خائف نہیں ہونا چاہتے، بلکہ اپنی جدوجہد کو اور تیز اپنی فکر و کوشش کو دوچند کر دینا چاہیے۔ جتنی جلد عام مسلمانوں کی سمجھ میں یہ بات آجائے گی، اور جتنی جلد وہ ان حقیقت ناآشنا لیڈروں کی ترتیب سے نکل کر نبیوں کی ترتیب کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے لگیں گے اتنا ہی کم نقصان انہیں جھیلنا پڑے گا۔ ورنہ آثار اچھے نہیں ہیں۔ افق پہ سرخ و سیاہ بادل صاف منڈلا رہے ہیں۔

آخری بات یہ کہ جو لوگ اللہ کی توفیق سے صحیح اسلامی مزاج کو نسبتاً زیادہ وضاحت اور یقین کے ساتھ سمجھ رہے ہیں سب سے زیادہ ذمہ داری ان کی ہے، ان کی ذرا سی غفلت اور آرام پسندی سے ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ قل هل یستوی الذین یعلمون - والذین لا یعلمون -

مولانا شہاب الدین ندوی انڈیا

حیاتِ ثانی کا ثبوت سائنسی نقطۂ نظر سے

(۲)

۱۹۵۰ء میں پہلی مرتبہ ایک طاقتور خوردبین کے ذریعہ خلیہ کے اندرونی تغیرات کا مطالعہ کرنے کا موقعہ جو کسی چیز کو ایک لاکھ گنا بڑا کر کے دکھا سکتی تھی۔

خلیہ کے اندر سبز ذرات کے علاوہ رائبوسوم RIBOSOME اور مائٹو کانڈریا MITOCHONDRIA وغیرہ کئی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ اور ان سب کا الگ الگ عمل ہوتا ہے۔ مگر سب سے زیادہ پیچ اسرار عمل خلیہ کے مرکزہ NUCLEUS میں ہوتا ہے جس میں زندگی کا " وراثتی مادہ" یعنی کروموسوم CHROMOSOME لڑیوں کی شکل میں پایا جاتا ہے اور اس کی تشکیل میں بیس سے زیادہ امینو ترشے AMINO ACIDS حصہ لیتے ہیں کہا جاتا ہے کہ اس میں کسی بھی نوع کی تمام " وراثتی خصوصیات" موجود ہوتی ہیں۔ اور ہر خلیہ نئے خلیوں کی تشکیل میں (جو خود بخود دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے) اسی کی " فوٹو کاپی" کرتے ہوئے اپنا " مثنیٰ " تیار کرتا ہے۔ اور ایک ماہر حیاتیات کی اس موضوع پر تنقید بھی گزر چکی ہے۔ کہ جسم کروموسوم (جین کے مجموعے) کے ذریعہ کنٹرول کیا جاتا ہے۔ کہنے کی بہ نسبت اسے خدا کے ذریعہ کنٹرول کیا جاتا ہے کہنا زیادہ معقول ہے۔

بہر حال اگر کروموسوم اور جین کا نظریہ صحیح ہے کہ اس کے ذریعہ وراثتی خصوصیات ایک نسل سے دوسری نسل تک برابر منتقل ہو رہی ہیں۔ تو گویا سائنس مادیت کے خلاف اور " اعادۂ اجسام" کے ممکن الوقوع ہونے پر ایک سائنٹیفک ثبوت خود فراہم کر رہی ہے۔ اب اس موقع پر اس بحث کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ ابتداءً ہر نوع میں یہ " کروموسومی خصوصیات" کیسے پیدا ہو گئیں۔ اور ان کا خالق کون ہے؟ اور یہ سوال بالکل ایسا ہی ہے جیسے پہلے مرغی پیدا ہوئی یا انڈا؟ بیج پہلے پیدا ہوا یا درخت؟ نر پہلے پیدا ہوا یا مادہ؟ (اس قسم کے سوالات کو سائنس کسی صورت میں حل نہیں کر سکتی) مگر جدید سائنس کو اتنا ضرور تسلیم ہے کہ ہر نوع میں یہ خصوصیات پائی جاتی ہیں جس کی وجہ سے نوعی خصوصیات نسل در نسل برابر منتقل ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ اگرچہ سائنس دانوں نے اس نظریہ پر زور اس لئے دینا شروع کیا ہے کہ انہیں ایک اخلاقی ہستی کے وجود سے اپنا دامن بچانا پڑے۔ مگر اس کے باوجود مسائل حل نہیں ہو پا رہے ہیں۔ بلکہ وہ اور زیادہ

الجھ گئے ہیں۔ لیکن اگر ہم بالفرض یہ تسلیم کر لیں کہ جین اور کروموسوم کا عمل بالکل ویسے ہی ہے جیسا کہ موجودہ سائنس دان اس کی تشریح کرتے ہیں۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے جیسے دیگر بہت سی طبیعی قوانین بنائے ہیں ویسے یہ بھی ایک قانون ہو گا۔ کیونکہ وہ یا ضابطہ قوانین ہی کے ذریعہ اپنی مخلوقات کو چلاتا ہے جیسا کہ اس اصول کی تشریح پچھلے ابواب میں گذر چکی ہے۔

وخلق كل شيء فقدره تقديراً

اس نے (اس کائنات کی) ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ایک (طبیعی) ضابطہ مقرر کیا (فرقان ۲)

مگر پھر بھی جین GENE[9] اور کروموسوم کے جو نظریات پیش کئے جاتے ہیں ان سے مظاہر قدرت کی کامل تشریح نہیں ہوتی اور اس سلسلے کے معمے حل نہیں ہوتے۔ واقعہ یہ ہے کہ جین اور کروموسوم کی دنیا انتہائی پیچیدہ ہے جسے سائنس دان اب تک پوری طرح سمجھ نہیں پائے ہیں۔ چنانچہ جین کی تشکیل جس مادہ سے ہوئی ہے اسے DNA کہا جاتا ہے اور یہ چار قسم کے ہوتے ہیں اگر ان مادوں کے اجتماع کی صحیح کیفیت اب تک نامعلوم ہے، جیسا کہ ایک ماہر حیاتیات اعتراف کرتا ہے۔

It was still not known, however, exactly how these four kinds of building units are joined to form DNA.(10)

یہی مصنف مزید تحریر کرتا ہے کہ DNA کی دو چینوں (یا سلسلوں) کا اشتراک محض اتفاق کی بات نہیں ہے

The association of the two chains is by no means haphazard.(11)

ایک اور ماہر حیاتیات خلیہ کے اندرونی عمل کے بارے میں دنیائے سائنس کے لئے ناکافی معلومات کا اعتراف اس طرح کرتا ہے:۔ (۹ ۱۰ ۱۱ ۱۲ حاشیہ)

واقعہ یہ ہے کہ سائنس کی ہمہ جہتی ترقی کے باوجود "حیاتیاتی کیمیا" کے باب میں انسان کا علم بالکل ناجیبی قسم کا ہے چنانچہ یہی مصنف تحریر کرتا ہے کہ ابھی اس سلسلے کے بہت سے فعلیاتی اور کیمیائی معمے حل کرنے باقی ہیں جو ہمارے سامنے صف باندھے کھڑے ہیں۔

۹ جین کروموسوم کا ایک یونٹ ہے جو DNA کے چند سالمات کا مجموعہ ہوتا ہے۔۔۔ "جینیاتی دنیا" ایک ایسی کیمیائی زبان میں لکھی ہوتی ہے جو چار قسم کے "کیمیائی مرکبات" کا مجموعہ ہے۔ اور یہ ایک مستقل علم ہے جسے علم وراثت یا GENETICS کہا جاتا ہے۔

.....that eventually we will be able to explain in chemical and physical terms many of the puzzling mysteries that still confront us.(13)

اس اعتبار سے ایک خلیہ جیسی ننھی سی چیز، جو خالی آنکھ کو نظر بھی نہیں آتی، اپنے اندر اسرار و عجائب کی ایک پوری دنیا رکھتی ہے۔ اور وہ انسان کو ورطۂ حیرت میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔

(10) Norman V. Rothwell, Human Genetics, Prentice-Hall of India, New Delhi, 1978, P. 209.

دوبارہ زندگی کا ظہور کیوں کر ہو گا؟

دنیائے نباتات میں ہم برابر یہ مشاہدہ کرتے چلے آرہے ہیں کہ ہمیشہ بیج سے درخت اُگتا ہے اور درخت پھر سے ویسے ہی بیج پیدا کرتا ہے جو اپنی ہی قسم کے نئے درختوں کو اُگا سکتا ہے۔ اور یہ سلسلہ برابر قائم ہے جس میں کبھی کسی قسم کا ردوبدل نہیں ہو رہا ہے۔ لیکن آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ بیج دراصل ہے کیا؟ ایک ذرا سی غیر جاندار یا ایک بے حس و حرکت چیز، جس میں ایک بلیے چوڑے درخت کی ایک پوری تصویر چھپی رہتی ہے۔ لیکن آپ بیج کا تجزیہ کر کے اس تصویر کی شناخت نہیں کر سکتے اور نہ بتا سکتے ہیں کہ اس کے کن کن اجزا سے کون کون سی چیز خود بخود کس طرح

---

(11) Ibid., P. 212.

(12) William D. McElroy, Cell Physiology and Biochemistry, Prentice-Hall of India, New Delhi, 1978, P.12.

برآمد ہو جاتی ہے؟ مختلف خلیے مل کر نہایت درجہ خودکارانہ طریقہ سے کسی ایک عضو کی تشکیل کس طرح کرتے ہیں؟ خود سائنسدان حیران ہیں کہ خلیے اپنا یہ پراسرار عمل کس طرح کرتے ہیں اور خودکارانہ طریقے سے کسی بھی جسم کے مختلف اعضا کی تشکیل کس طرح کر لیتے ہیں؟ چنانچہ ایک ماہر حیاتیات کرک F.H.C.CRICK دنیائے سائنس کی اس باب میں نارسائیوں کا اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے۔ ہماری ناواقفیت کا وسیع علاقہ یہ نہیں ہے کہ خلیہ کے اندر کیا ہو رہا ہے؟ بلکہ یہ ہے کہ خلیوں کے درمیان کیا ہو رہا ہے؟ اس بارے میں ہمارا علم محض جزئی ہے کیونکہ ہمارا موجودہ علم ہمارے مشاہدات کی تشریح کے لئے بالکل ناکافی ہے۔

But by far the largest area of our ignorance is not what happens inside a cell but what happens between the cells. Here our knowledge is fragmentary, since what we know is quite inadequate to explain what we see.(14)

غرض ایک ننھے سے بیج میں ایک پوری دنیا آباد ہوتی ہے۔ ابتداءً وہ محض چند خلیوں کا مجموعہ ہوتا ہے جو زمین کی نمی اور حرارت میں نشوونما پا کر بڑھنے لگتا ہے۔ ہر خلیہ خود بخود بڑھتا اور منقسم ہو کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک سے دو، دو سے چار، چار سے آٹھ، اور آٹھ سے سولہ۔ اس طرح ہر چند لمحوں

ہیں ان کی افزائش اور بڑھوتری ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد کروڑوں اور اربوں تک پہنچ جاتی ہے۔ کسی درخت کا ہر حصہ اور انسانی جسم کا ہر عضو (ماں کے پیٹ میں) اسی طرح نشوونما پاتا ہے اور یہ ڈھیر سارے خلیے مل کر نہایت خودکارانہ طریقے سے تمام اعضا کی تشکیل کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک پورا درخت بن کر تیار ہو جاتا ہے۔ اور پھر چند سال بعد وہ "بوڑھا" ہو کر ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے "بچے" (یعنی وہ بیج جن کو وہ اپنی دورانِ زندگی جنم دے چکا ہوتا ہے) پھر اسی قسم کے نئے درخت پیدا کرنے کے لئے موجود رہتے ہیں۔ اس طرح یہ سلسلہ برابر چلتا رہتا ہے۔

اس موقعہ پر خلاقیت کا ایک جلوہ یہ ہے کہ درخت جو بیج پیدا کرتے ہیں وہ "مردہ" حالت میں ہوتے ہیں (حیوانات کے بچوں کی طرح زندہ حالت میں نہیں) آپ کسی بیج کو کئی سال تک یونہی رکھ چھوڑیئے اس میں کلّہ نہیں پھوٹتا۔ اور زندگی کی کوئی رمق بھی نمودار نہیں ہوتی۔ مگر آپ اسے کسی مرطوب زمین میں دبا دیجئے، وہ فوراً اس طرح "جاگ" اٹھے گا گویا کہ وہ اب تک سو رہا تھا۔ چنانچہ اس عمل کے باعث اس کا اندرونی مادۂ حیات (پروٹوپلازم) "حرکت میں آجاتا ہے۔ اور وہ "مردہ پروٹوپلازم" کے بجائے "زندہ پروٹوپلازم" بن جاتا ہے۔

(13) Ibid, P.2

خلاقیت کے اس مظاہرہ میں ہمارے لئے کئی اسباق موجود ہیں:۔

۱۔ نقاشِ فطرت ایک رتّی سی چیز سے ایک بہت بڑی چیز نکال سکتا ہے۔

۲۔ وہ مردہ عناصر میں جان ڈال کر زندہ اشیاء پیدا کرتا ہے اور زندہ اشیاء سے پھر مردہ چیزیں برآمد کرتا ہے۔

۳۔ جب کوئی جسم بوڑھا ہو کر ختم ہو جاتا ہے تو پھر ایک ننھی سی چیز سے اس کا اعادہ ممکن ہے اور اس وقت ہمارے سامنے نباتات کی مثال موجود ہے جن کے خلیوں کی بناوٹ، اُن کے بنیادی مادہ اور ان کی اندرونی مشنری ہو بہو انسانی خلیوں ہی کی طرح ہے۔ ظاہر ہے کہ جب نباتات کا اعادہ (دوبارہ ظہور) ہو سکتا ہے تو پھر انسانوں کا کیوں نہیں ہو سکتا؟

الآخرة ان اللہ علی کل شئ قدیر

کیا انہوں نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ کس طرح مخلوق کو پہلی بار (عدم سے) وجود میں لاتا ہے، پھر کس طرح وہ اس فعل کو دہراتا ہے؟ یہ بات اللہ کے نزدیک بہت آسان ہے۔ کہو کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو تو سمجھو کہ اس نے مخلوق کو پہلی بار کس طرح پیدا کیا؟ پھر اللہ اسی طرح آخری بار بھی پیدا کرے گا۔ اللہ یقیناً ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (عنکبوت ۲۰)

ظاہر ہے کہ عمل تخلیق کو دہراتے رہنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے۔ اس بارے میں کوئی مشکل ہوتی تو تخلیقِ اول کے موقع پر ہوتی۔ جب کہ عدم محض سے بغیر کسی سابقہ مثال کے وجود میں لانے کا مرحلہ درپیش تھا لیکن جب پہلی مرتبہ کوئی دشواری پیش نہیں آئی تو پھر دوبارہ ہر مخلوق کا مثنیٰ یا اس کی نقل DUPLICATE تیار کرنے میں کیا دشواری ہو سکتی ہے؟ کوئی کاریگر سب سے پہلے ایک ماڈل تیار کرتا ہے پھر اُس ماڈل کے مطابق اپنی تمام مصنوعات کو یکساں سائز اور یکساں شکل و صورت میں تیار کرنے لگتا ہے ظاہر ہے جو محنت ایک نئے ماڈل کو تیار کرنے میں صرف ہوتی ہے وہ اس کا مثنیٰ بنانے میں صرف نہیں ہوتی۔ اور پھر خداوندِ عالم بے پایاں قدرت کا مالک ہے تو اسے اس معاملے میں کیا مشکل پیش آ سکتی ہے؟

نباتات کی گواہی | غرض نباتات ہر اعتبار سے ہمارے سامنے حیاتِ ثانی کا سائنٹیفک ثبوت اور اس کی قطعی شہادت پیش کر رہے ہیں۔

ایک خشک اور مُردہ زمین جس میں ہریالی اور سبزی وغیرہ کا نام و نشان بھی نہ ہو۔ بارش ہوتے ہی اس طرح جاگ اٹھتی ہے گویا کہ وہ نیند کی حالت میں تھی۔ ہر طرف رونق اور چہل پہل شروع ہو جاتی ہے زندگی کے ہنگامے گرم ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے سینوں پر رنگوں کا ایک سیلاب نمودار ہو جاتا ہے گویا کہ وہ زندگی کی بہار آفرینیوں سے جھوم اٹھی ہو۔ اس اعتبار سے قرآن کا یہ بیان بڑا اچھوتا سا معلوم ہوتا ہے،

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ (حج ۵)

اور تو زمین کو بالکل خشک حالت میں دیکھتا ہے مگر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ (اچانک) جھوم اٹھتی اور نشو و نما پانے لگتی ہے اور ہر قسم کے خوشنما ازواج (نر و مادہ پھول پودے) اُگا دیتی ہے۔ (حج: ۵)

بارش ہوتے ہی یہ بکھرے ہوئے اور بے جان عناصر جاگ گیا پڑے زمین میں ایک ہلچل مچ گئی۔ وہی زمین جو پہلے بالکل خشک اور مردہ سی حالت میں تھی زندگی سے بھرپور تبسم سبزیوں سے مچل اٹھی اور رنگ برنگے پودوں اور جھاڑ جھنکاڑوں سے الٹ گئی۔ ہر طرف خوشنما سبزہ زاروں کی چادریں تن گئیں اور حسین جمیل پھولوں اور گل بوٹوں کے دلفریب مناظر آراستہ ہو گئے۔

یہ ہے وہ حیرت انگیز نظارہ جس کو قرآن حیاتِ ثانی یا یومِ آخرت کے اثبات میں ایک زبردست دلیل کے طور پر پیش کرتا ہے۔

وھو الذی یرسل الریٰح بُشراً بین یدی رحمتہ ط حتیٰ اذا اقلت سحاباً ثقالاً سقنٰہ لبلدٍ میتٍ فانزلنا بہ الماء فاخرجنا بہ من کلِ الثمراتِ ط کذٰلک نخرج الموتیٰ لعلکم تذکرون ہ

اور وہی ہے جو بارش سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں چلاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب ہوائیں بھاری بادلوں کو (اپنے کندھوں پر) اٹھا کر لاتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی مُردہ شہر (قطعۂ ارض) کی طرف ہانک دیتے ہیں۔ پھر اس سے پانی برساتے ہیں۔ پھر اس پانی سے ہر قسم کے میوے نکال دیتے ہیں۔ اور ہم مُردوں کو بھی (زمین سے دوبارہ) اسی طرح نکالیں گے (یہ مثالیں ہم اس لئے بیان کر رہے ہیں) تاکہ تم اس سے سبق لے سکو (اعراف: ۵۷)

یہ بڑا سائنٹیفک قسم کا بیان ہے۔ جیسا کہ تفصیل گذر چکی محض ایک سادہ سے پانی سے رنگ برنگے اور مختلف شکلوں، ذائقوں اور خاصیتوں سے مزین قسم ہا قسم کے نباتات ہر نئے موسم میں اس طرح نکال کھڑا کرنا کہ ان کے خدوخال اور رنگ و روپ میں ادنیٰ درجہ کی بھی تبدیلی نہ ہو سکے۔ بلکہ ان مختلف قسم کے غذائی مادے اور ان کے اجزاء وعناصر تک ہمیشہ یکساں رہیں۔ یقیناً قدرتِ خداوندی کا ایک زبردست مظاہرہ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز بالکل یکساں قسم کے سانچوں میں ڈھل ڈھل کر نکل رہی ہے جس طرح کہ کسی کارخانے میں یکساں قسم کی مصنوعات تیار ہو کر نکلتی ہیں۔ کیا اتنی زبردست قدرت والا خدا لم یزل قیامت کے موقع پر انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے اور ہو بہو اسی شکل میں نکال کھڑا کرنے سے عاجز و بےبس رہ جائے گا، جس شکل وصورت میں وہ دنیا میں موجود تھے؟

فانظر الیٰ اٰثٰر رحمت اللہ کیف یحیی الارض بعد موتہا ط انّ ذٰلک لمحی الموتیٰ وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر ہ

اے مخاطب! تو اللہ کی رحمت (بارش) کی نشانیوں کا نظارہ کر کہ وہ کس طرح زمین کو اس کے مر چکنے کے بعد پھر سے زندہ کر دیتا ہے! یقیناً وہ مُردوں کو بھی اسی طرح زندہ کرے گا وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (روم: ۵۰)

واللہ انزل من السماءِ ماءً فاحیا بہ الارض بعد موتہا ط ان فی ذٰلک لاٰیۃ لقومٍ یسمعون

اور اللہ نے بادل سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ اس نے زمین کو مر چکنے کے بعد پھر سے زندہ کر دیا یقیناً اس میں (کان کھول کر) سننے والوں کے لئے ایک بڑی نشانی موجود ہے۔ (نحل ۶۵)

انسانی اشکال و اجزاء کا اعادہ | نباتات کے اس منصوبہ بند عمل (تقدیر) میں انسان کے لئے دو

اسباق موجود ہیں :-

۱۔ اس نظام کی بدولت حکیم مطلق نے انسان اور دیگر حیوانات کے لئے ایک انوکھے طریقے سے ان کی غذا اور روزی کے ذرائع بہم پہنچا رہا ہے۔

۲۔ اور دوسری طرف انسان کی بے یقینی کو زائل کرنے کے لئے اُسے حیات ثانی کے اثبات کا مشاہدہ کرا رہا ہے۔ چنانچہ موسم خزاں اور موسم بہار دراصل "موت وحیات" کے دو عملی نمونے ہیں۔ جو انسان کی عبرت و بصیرت کے لئے ہر سال برپا کئے جا رہے ہیں تاکہ انسان روز جزا اور حشر و نشر کے عقیدہ کو فراموش نہ کرے بلکہ اس کی یاد اس کے ذہن میں ہمیشہ تازہ رہے تاکہ وہ اس عقیدہ کے تقاضوں کے مطابق عمل کر کے یوم آخرت کی تیاری کر سکے۔

غرض انسان کو دنیا سے نباتات میں ہر سال "قیامت" کا نظارہ کرایا جا رہا ہے کہ جس طرح نباتات اپنی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ ہر نئے موسم میں جلوہ گر ہو کر اپنی "شخصیت" کی شناخت اور اس کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح انسانوں کا بھی دوبارہ حشر و نشر عمل میں آسکتا ہے۔ اور وہ بھی اپنی تمام "فردی خصوصیات" کے ساتھ منظر عام پر آکر میدان حشر میں جمع ہو سکتے ہیں۔ جو اس وقت مُردوں اور ہڈیوں کی شکل میں "اسپور" بن کر ہزاروں سال سے زمین میں دفن ہیں۔ جس وقت خالق ارض و سماوات چاہے گا وہ دفعتاً اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور نباتات ہی کے انداز میں دوبارہ زمین سے برآمد ہوں گے۔ اُن کی شکل وصورت، خدوخال اور چہروں مہروں میں رتی برابر بھی ردوبدل نہ ہو سکے گا اور ان کے اجزا و عناصر میں کوئی فرق نہیں آسکے گا جیسا کہ قرآن حکیم میں اس حقیقت پر سے پردہ اس طرح اٹھایا گیا ہے :-

قد علمنا ما تنقص الارض منھم وعندنا کتٰب حفیظ ۰

ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ زمین ان کے (کن کن اجزا کو) کم کرتی ہے۔ اور ہمارے پاس ایک ایسی کتاب ہے جس میں (ان کے تمام احوال وکوائف پوری طرح) محفوظ ہیں۔ (ق۔ ۴۰)

شکل وصورت اور چہرے مہرے کی تبدیلی تو درکنار کسی انسان کی انگلیوں کے پوٗرے تک بالکل وہی ہوں گے جو اس کی دنیوی زندگی میں تھے۔ جیسا کہ اس حقیقت کا انکشاف قرآن حکیم میں اس طرح کیا گیا ہے

ایحسب الانسان الن نجمع عظامہ۔ بلیٰ قادرین علیٰ ان نسوی بنانہ

کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں پھر سے اکٹھا نہ کر سکیں گے ؟ ہاں ہم تو اس پر قادر ہیں کہ اس کے پور پور تک درست کر دیں۔ (قیامہ ۳،۴)

یہاں پر خصوصیت کے ساتھ انگلیوں کے پوروں کا ذکر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ دنیا میں کسی دو افراد کی انگلیوں کے نشانات یکساں نہیں ہوتے بلکہ ان میں باہم کچھ نہ کچھ فرق و اختلاف رہتا ہے۔ بالفاظ دیگر دنیا میں کسی دو آدمیوں کے چہروں میں مشابہت ہو سکتی ہے۔ دو افراد کا قد یکساں ہو سکتا ہے۔ دو شخصوں کی آواز میں التباس پیدا ہو سکتا ہے۔ مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ دو افراد کی انگلیوں کے پورے یکساں ہو جائیں[۴۳]۔

تو یہاں پر یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم قیامت کے دن ہر شخص کو اس کی انگلیوں کے مخصوص نشانات کے ساتھ — ہو بہو جس طرح کہ وہ دنیا میں تھے — نکال کھڑا کریں گے۔ انگلیوں کے نشانات کسی انسان کی شناخت کے سلسلے میں آخری درجے کی چیز ہے۔ اس اعتبار سے قیامت کے دن جب کسی انسان کی پور شناخت تک نہیں بدل سکتی تو پھر دوسرے "شناختی امور" کی تبدیلیوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو ثانوی درجے کی چیزیں ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ اس موقع پر یہ بتا رہا ہے کہ کسی انسان کی شناخت سے متعلق کسی بھی چیز کو حشر آخرت کے موقع پر نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ہر انسان کو اس کے پورے "نیچر" سمیت لا کھڑا کیا جائے گا۔

بعض شبہات کا ازالہ | اس موقع پر ایک سائنٹفک قسم کا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حشر و نشر کی یہ تمام تفصیلات اُن مُردوں پر صادق آسکتی ہیں جو زمین میں دفن کئے گئے ہوں۔ مگر اس کے برعکس جب کوئی آدمی پانی میں ڈوب کر مر جاتا ہے یا اسے کوئی مچھلی یا شیر کھا لیتا ہے، یا بعض لوگ اپنے مُردوں کو جلا دیتے ہیں۔ تو ان سب صورتوں میں مذکورۂ بالا اُصول صادق کیسے آسکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سائنسی نقطۂ نظر سے کوئی چیز بالکل فنا نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف "مادہ" کی شکل و صورت بدل جاتی ہے۔ اصل چیز کا "جوہر" کسی نہ کسی شکل میں برقرار رہتا ہے۔ مثلاً ایک چیز جب جلائی جاتی ہے تو وہ ہم کو بظاہر فنا ہوتی دکھائی دیتی ہے حالانکہ وہ راکھ کی شکل میں باقی رہتی ہے۔ جدید طبیعات کی رو سے مادہ MATTER توانائی ENERGY میں اور توانائی پھر سے مادہ میں تبدیل کی جا سکتی ہے۔ اس اعتبار سے چیزیں لاکھ اپنا قالب تبدیل کر لیں اصل جوہر باقی رہتا ہے اور اسے جیسے شکل میں چاہے لایا جا سکتا ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ پانی کو ہم چاہیں تو برف یا بھاپ میں

---

[۴۳] چنانچہ مجرموں کی شناخت انہی نشانات کی بدولت ہوتی ہے اور اسی بنا پر پولیس کے تمام محکموں میں مجرموں کا سراغ لگانے کے لئے اس قسم کے نشانات کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا ہے جسے "فنگر پرنٹ" ڈیپارٹمنٹ کہا جاتا ہے۔

تبدیل کر سکتے ہیں اور جب چاہیں پھر اسے اپنی شکل میں واپس لا سکتے ہیں۔ بلکہ پانی کے سالموں کو توڑ کر انہیں مفرد عناصر میں بھی تبدیل کر سکتے ہیں۔ خود سائنسی لیبارٹریوں میں اس قسم کے "جوڑ توڑ" کے باعث نئے نئے "مرکبات" اور نئی نئی اشیاء مصنوعی طور پر بنائی جا رہی ہیں۔

لہٰذا کسی انسان کے منتشر و پراگندہ اجزا، خواہ وہ زمین میں رل مل جائیں یا وسیع و بیکراں سمندروں میں تحلیل ہو جائیں۔ ہواؤں اور خلاؤں کا جزو بن جائیں۔ یا دیگر اجرام سماوی میں جا کر فنا ہو جائیں۔ کسی خونخوار جانور کا لقمۂ تر بن جائیں۔ یا گل سڑ کر کوڑا کرکٹ بن جائیں۔ ان سب صورتوں میں خدائے علیم و خبیر اس کے ایک ایک جزو اور ایک ایک سالمہ کو دوبارہ جمع کر کے اپنی اصلی حالت پر واپس لے آئے گا۔ حسب ذیل آیات میں اس ابدی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

إنها إن تك مثقال حبةٍ من خردلٍ فتكن في صخرةٍ أو في السمٰوٰت أو في الارض يأت بها الله ط ان الله لطيفٌ خبيرٌ

(کوئی بھی چیز اگرچہ) وہ ایک رائی کے دانے برابر ہی کیوں نہ ہو، خواہ کسی چٹان کے اندر ہو یا اجرام سماوی یا زمین میں، اللہ اسے (قیامت کے موقع پر) لا موجود کرے گا یقیناً وہ بڑا ہی باریک بین اور بڑا ہی باخبر ہے۔ (لقمان: ۱۶)

و ان كان مثقال حبةٍ من خردلٍ اتينا بها ط وكفى بنا حٰسبين

اور اگر وہ ایک رائی کے دانے برابر بھی وزن دار ہو (جیسے ایک جوہر یا عنصر) تو ہم اسے حاضر کر دیں گے اور ہم کافی اچھا حساب کرنے والے ہیں۔ (انبیاء: ۴۷)

(جاری ہے)

سید جلال الدین عمری

اسلام اور تفریحات

زندگی میں تفریحات کا بھی ایک مقام ہے۔ اس سے آدمی فرحت اور خوشی محسوس کرتا ہے۔ تفریح کا ایک بڑا ذریعہ کھیل کود ہے۔ ہر قوم کے اپنے مخصوص کھیل کود ہوتے ہیں، اب تو بعض کھیل بین الاقوامی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔
بچوں کو کھیل کود سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے یہ ان کی عمر کا ایک فطری تقاضا ہے لیکن اس میں شغف اور انہماک سے زندگی کے اعلیٰ مقاصد نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، اس لیے بہت سے لوگ کھیل کود کو پسند نہیں کرتے اور بچوں کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، بچے کو کھیل کود کا مناسب موقع ملنا چاہیے اس سے اس کی صحت اور تندرستی پر خوشگوار اثرات پڑتے ہیں۔ جو بچہ کھیل سے دور رہتا ہے یا دور رکھا جاتا ہے اس کی صحیح نشو و نما نہیں ہو پاتی اور وہ کمزور صحت کے ساتھ میدانِ عمل میں آتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بچہ بہت سی باتیں اپنے ہمجولیوں کے ساتھ کھیل کود میں سیکھتا ہے۔ اس میں صبر و ضبط، نظم اور ڈسپلن، جرأت و ہمت اور مسابقت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، یہ چیز کسی اور ذریعہ سے مشکل ہی سے پیدا کی جا سکتی ہے۔

اہلِ عرب میں جو کھیل رائج تھے عہدِ وحی و رسالت میں بچے وہی کھیل کھیلتے تھے، اسلام نے انہیں اس سے منع نہیں کیا بلکہ ایک طرح سے ترغیب دی اور ہمت افزائی فرمائی۔ احادیث میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ حضرت انسؓ کا کمسن صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؓ کی عمر دس برس تھی۔ آپؓ کی بعض روایات یہاں پیش کی جا رہی ہیں:-

(۱) فرماتے ہیں کہ ہم کمسن بچے کھیل رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہمیں سلام فرمایا[۱]
آپ نے بچوں کے کھیل کود پر کوئی زجر و توبیخ نہیں کی بلکہ سلام کے ذریعہ خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا۔ آپ کے رویہ میں اسلامی اخلاق کی تعلیم بھی تھی اور معصوم بچوں کی ہمت افزائی بھی۔

(۲) فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ آپ نے ایک دن مجھے ایک ضرورت سے بھیجنا چاہا۔ میرے دل میں گو آپ کے حکم کی تعمیل ہی کا ارادہ تھا لیکن میں نے کہا خدا کی قسم میں نہیں جاؤں گا پھر وہاں سے

---

[۱] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی السلام علی الصبیان۔ مسند احمد: ۳/۱۸۳

نکلا، بازار میں بچے کھیل رہے تھے میں وہیں رُک گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اچانک تشریف لائے اور پیچھے سے مجھے پکڑ لیا، میں نے مُڑ کر دیکھا تو آپ مُسکرا رہے تھے، پیار سے فرمایا اے انس! میں نے جہاں بھیجا تھا وہاں نہیں گئے؟ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! ابھی جا رہا ہوں ــــ خدا کی قسم میں نے نو دس برس آپ کی خدمت کی لیکن مجھے نہیں معلوم کہ کوئی کام میں نے کیا ہو اور آپ نے کہا ہو کہ یہ کیوں کیا؟ یا کوئی کام نہ کیا ہو تو آپ نے باز پرس کی ہو کہ کیوں نہیں کیا؟[۱]

خادم کو کسی کام سے بھیجا جائے اور وہ کھیل میں لگ جائے تو آدمی غضب ناک ہو جائیگا لیکن آپ کی شفقت کا یہ عالم کہ آپ ذرا خفا نہیں ہوئے۔ پھر آپ نے حضرت انسؓ اور اُن کے ساتھیوں کو کھیل سے منع نہیں فرمایا صرف اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ جس کام کے لیے کہا گیا ہے وہ کر دیں، یہ اس بات کا خاموش درس بھی تھا کہ کھیل کُود کیلئے دوسری اہم ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) فرماتے ہیں میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہمیں سلام کیا، پھر ایک ضرورت سے مجھے کہیں بھیجا۔ گھر پہنچنے میں تاخیر ہوئی تو میری ماں نے تاخیر کی وجہ پوچھی، میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک کام سے بھیجا تھا، انھوں نے پوچھا کہ کیا کام تھا؟ میں نے عرض کیا وہ تو ایک رازی بات ہے۔ ماں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز کسی کے سامنے افشاء نہ کرنا۔ چنانچہ میں نے یہ راز کبھی کسی سے بیان نہیں کیا۔ اپنے شاگرد ثابت سے کہتے ہیں اگر کسی سے بیان کرتا تو تم سے ضرور بیان کرتا[۲]

یہ اس تربیت کا نتیجہ تھا جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملی تھی۔

(۴) فرماتے ہیں میرا ایک چھوٹا بھائی تھا اس کا نام ابوعمیر تھا، وہ نُغیر نام کے ایک پرندہ سے کھیلا کرتا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو اس سے پوچھتے یا ابا عمیر ما فعل النغیر۔ ابوعمیر! نغیر کا کیا حال ہے؟[۳]

یہ بچوں کے کھیل سے مسرت اور دلچسپی کا اظہار ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، آپ کو دیکھتے ہی میں دروازہ کے پیچھے چھپ گیا۔ آپ نے مجھے بلایا اور پیار سے دونوں شانوں کے درمیان دستِ مبارک مارا اور فرمایا ذرا (حضرت) معاویہؓ کو بلا لاؤ[۴]

---

[۱] مسلم، کتاب الفضائل، باب حسن خلقہ۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الحلم واخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم [۲] مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، فضائل انسؓ بن مالک [۳] بخاری، کتاب الادب، باب الکنیۃ للصبی۔ مسلم، کتاب الآداب، باب جواز تکنیۃ من لم یولد۔۔۔ الخ
[۴] مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم او سبہ ۔۔۔ الخ

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کہتے ہیں کہ وہ، قثم بن عباسؓ اور عبیداللہ بن عباسؓ کھیل رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر پہنچے اور وہاں موجود لوگوں سے فرمایا: ذرا اسے اوپر مجھ تک اٹھاؤ، جب مجھے اوپر اٹھایا گیا تو سواری پر آگے بٹھالیا، پھر فرمایا ذرا قثم کو بھی اٹھا، انہیں پیچھے بٹھالیا، میرے سر پہ ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔[1]

حضرت یعلی العامریؓ کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دعوت میں جارہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں کی طرف رُخ فرمایا کہ حضرت حسینؓ نظر آئے، وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پکڑنا چاہا تو وہ ادھر اُدھر چھپ رہے تھے اور آپ مسکرا رہے تھے۔ بالآخر آپ نے انہیں پکڑ لیا، اپنا ایک ہاتھ انکی گردن پر اور دوسرا ٹھوڑی کے نیچے کیا، دہن مبارک حضرت حسینؓ کے منہ پر رکھا اور پیار کیا، پھر فرمایا حسینؓ مجھ سے اور میں حسینؓ سے ہوں، جو حسینؓ سے محبت کرے اللہ اس سے محبت کرے، حسینؓ میرا ایک نواسا ہے۔[2]

حضرت عقبہ بن عامرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز عصر کی نماز کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ نکلا، حضرت علیؓ بھی ساتھ تھے۔ راستہ میں حضرت حسنؓ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے حضرت ابوبکرؓ نے انہیں اُٹھا کر اپنے شانوں پر بٹھا لیا اور کہا صحیح بات یہ ہے کہ حسنؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ ہیں علیؓ سے مشابہ نہیں ہیں۔ حضرت علیؓ مسکرا رہے تھے۔[3]

ابوایوبؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ جمعہ کے لیے مسجد جارہا تھا، انہوں نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ وہ بھی ساتھ ہے، اس سے کہا اے لڑکے جاؤ کھیلو (نماز میں دیر ہے) اس نے کہا میں تو ابھی مسجد جانا چاہتا ہوں انہوں نے کہا جاؤ کھیلو، اس نے پھر کہا میں تو مسجد جانا چاہتا ہوں۔ انہوں نے پوچھا کیا تم امام کے آنے تک بیٹھے انتظار کروگے؟ اُس نے جواب دیا ہاں! انہوں نے اسے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد میں نے سنا ہے کہ فرشتے جمعہ کے روز مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاتے ہیں، لوگ جس ترتیب سے آتے ہیں اُسی ترتیب سے اُن کے نام لکھتے چلے جاتے ہیں جب امام خطبہ کے لیے منبر پر پہنچتا ہے تو وہ دفتر بند کردیتے ہیں۔[4]

کھیل کود سے بچہ کی دلچسپی فطری ہے، یہ دلچسپی برقرار رہنی چاہیئے۔ نماز اور وہ بھی جمعہ کی نماز کی اہمیت مسلّم ہے لیکن اس میں زیادہ وقت لگنے سے بچہ کے اندر اکتاہٹ پیدا ہوسکتی ہے، اس لیے حضرت ابوہریرہؓ نے اسے کھیلنے کے لیے کہا لیکن جب انہوں نے اس کا ذوق و شوق دیکھا تو اس کی فضیلت میں حدیث سنائی اور اس کے دینی رجحان کو تقویت پہنچائی۔

زمانۂ قدیم سے گڑیاں لڑکیوں کے کھیل میں شامل رہی ہیں، ان کے ذریعہ لڑکیوں کو خانگی نظم و نسق، سینے پرونے

---

[1] بخاری [2] مسلم [3] مسند احمد [4] مسند احمد۔

اور بچوں کی تربیت وغیرہ کی کھیل ہی کھیل میں تعلیم ملتی رہتی ہے۔ عرب میں بھی لڑکیاں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں۔

حضرت عائشہؓ کی کمسنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی ہوئی تھی، ان کی جب رخصتی ہوئی تو ان کی گڑیاں ان کے ساتھ تھیں[1] فرماتی ہیں کہ میں آپؐ کے گھر گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی، میری کچھ سہیلیاں بھی میرے ساتھ شریک رہتی تھیں، جب آپ گھر تشریف لاتے تو وہ سب چھپ جاتیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں میرے پاس بھیجدیتے تھے اور وہ میرے ساتھ پھر سے کھیلنے لگتی تھیں[2]

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی بلندی ہے کہ آپ نے شادی کے بعد اپنے گھر کھیل پر حضرت عائشہؓ کی نکیر نہیں فرمائی بلکہ اس کا بخوشی موقع فراہم کیا۔ اس میں کم عمروں کی نفسیات کی رعایت بھی ہے۔ کھیل کود سے منع کرتے ہیں ان کی نفسیات کو دھکا لگتا ہے۔

حضرت عائشہؓ ہی کی روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک یا خیبر سے واپس ہوئے، گھر میں سامان رکھنے کی الماری پر پردہ پڑا ہوا تھا، ہوا چلی تو پردہ کا کنارہ ہٹ گیا اور وہ گڑیاں جن سے حضرت عائشہؓ کھیلا کرتی تھیں نظر آنے لگیں، آپ نے دریافت کیا اے عائشہؓ! یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ میری گڑیاں ہیں، ان کے بیچ میں آپ نے ایک گھوڑا دیکھا جس کے دو بازو تھے جو کپڑے کے ٹکڑوں سے بنے تھے، فرمایا گھوڑا اور اس کے بازو! میں نے عرض کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں کے پر بھی ہوتے تھے اس پر آپ اس قدر ہنسے کہ دندان مبارک نظر آنے لگے[3]

بچوں کو کھیل کود کا موقع فراہم کرنا، اس کی ترغیب دینا اور ہمت افزائی کرنا صحیح ہے بلکہ ان کی صحت اور تندرستی کے نقطۂ نظر سے پسندیدہ ہے لیکن اس کے ساتھ ان کی تربیت کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے تاکہ کھیل کود اور مذاق اور تفریح سے غلط اثرات ان پر پڑنے نہ پائیں۔ اس معاملہ میں شریعت کا احساس کتنا شدید اور نازک ہے اس کا اندازہ حضرت عبداللہ بن عامرؓ کی روایت سے ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے، میں اس وقت بچہ تھا، میں کھیلنے کے ارادہ سے نکل رہا تھا کہ میری ماں نے آواز دی کہ اے عبداللہ! آؤ میں تمہیں ایک چیز دوں گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا بچہ کو کیا چیز دینا چاہ رہی ہو، انہوں نے عرض کیا میرے ہاتھ میں کھجور ہے کھجور دوں گی، آپ نے فرمایا تم ایسا نہ کرتیں تو یہ تمہارے نامۂ اعمال میں ایک جھوٹ لکھا جاتا[4]

---

[1] مسلم، کتاب النکاح باب جواز تزویج الاب البکر الصغیرہ [2] بخاری، کتاب الادب، باب الانبساط الی الناس مسلم، فضائل الصحابہ، فضائل عائشہ [3] ابو داؤد، کتاب الادب، باب اللعب بالبنات [4] مسند احمد، ۳/۴۴۷

ہنسی مذاق میں یا بچہ کو بہلانے کے لیے بھی جھوٹ بولنا اس کی شناعت کو کم کرنا ہے، حدیث میں اسی سے منع کیا گیا ہے۔ بچہ کے ساتھ جھوٹ بولنے سے وہ اس کی قباحت نہیں محسوس کرے گا اور اس کا امکان ہے کہ آہستہ آہستہ وہ اس کا عادی بھی ہو جائے۔

ابو رافع بن عمرو الغفاری کہتے ہیں کہ میں کم سن تھا، انصار کے کھجور کے پیڑوں پر پتھر پھینک رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تم پتھر کس لیے پھینک رہے ہو؟ میں نے عرض کیا اس طرح جو کھجوریں گرتی ہیں انہیں کھا رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا پتھر مار کر کھجور مت گراؤ البتہ جو گری پڑی ہوں انہیں کھا سکتے ہو، پھر میرے سر پر دستِ مبارک پھیرا اور دعا فرمائی اے اللہ! اس کو شکم سیر کر دے۔[1]

یہ بچہ کی تربیت کا کتنا پیارا اور محبت بھرا انداز ہے۔

ہشام بن زید کہتے ہیں کہ میں حضرت انسؓ کے ساتھ حکم بن ایوب کے ہاں پہنچا، انہوں نے دیکھا کہ کچھ لڑکے مرغی کو باندھ کر تیر اندازی کر رہے ہیں، فرمایا کہ اس طرح جانوروں کو باندھ کر مارنے سے رسول اللہ نے منع فرمایا۔[2]

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ یحییٰ بن سعیدؒ کے ہاں گئے، دیکھا کہ ان کا ایک لڑکا مرغی کو باندھ کر تیر چلا رہا ہے، آپ نے اسے کھول دیا اور مرغی اور لڑکے کو لیکر پہنچے اور کہا اپنے لڑکے کو تنبیہ کرو کہ وہ اس طرح پرندہ کو باندھ کر تیر اندازی کی مشق نہ کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کو باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، یہ بات میں نے آپؐ سے سنی ہے۔[3]

یہ حدیث بتاتی ہے کہ مخاطب سے قریبی تعلق ہو تو اسے سخت تنبیہ بھی کی جا سکتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مغفلؓ کے ایک رشتہ دار کنکر پھینک رہے تھے، انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے، اس کی وجہ آپ نے یہ بتائی کہ اس فضول حرکت سے نہ تو کوئی شکار ہو سکتا ہے اور نہ دشمن کو نقصان پہنچایا جا سکتا ہے البتہ کسی راہگذر کا دانت ٹوٹ سکتا ہے اور اس کی آنکھ پھوٹ سکتی ہے، اس کے باوجود دوبارہ انہوں نے پتھر پھینکا، حضرت عبد اللہ بن مغفلؓ خفا ہو گئے اور فرمایا کہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بات نہیں بتا رہا ہوں اور تم اس کے خلاف کیے چلے جا رہے ہو، میں تم سے کبھی نہیں بولوں گا۔[4]

بعض اوقات بچوں کی محبت میں جائز اور ناجائز کی تفریق ختم ہو جاتی ہے اور آدمی ہر طریقہ سے ان کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کرتا ہے، حالانکہ اللہ کی رضا جوئی مقدم ہے اور ہر معاملہ میں آدمی کو اس کے احکام کا پابند ہونا چاہیے، اسی سے بچوں کی صحیح تربیت بھی ہوتی ہے۔

---

[1] ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی ابن السبیل یأکل من التمر [2] بخاری، کتاب الذبائح والصید، باب ما یکرہ من المثلۃ [3] ایضاً [4] ایضاً، باب الخذف والبندقۃ، مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب ما یستعان بہ علی الاصطیاد ..... الخ

حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حجرہ میں آہٹ سی محسوس کی، میں نے کہا کون ہے؟ جواب ملا کہ جبرئیل ہوں، میں نے کہا اندر آجائیے، جبرئیل نے کہا کہ میں نہیں آسکتا آپ ہی باہر تشریف لائیں، جب میں انکے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کہ آپ کے گھر میں ایک ایسی چیز ہے کہ جب تک وہ ہے فرشتہ وہاں داخل نہیں ہوسکتا، میں نے کہا ایسی کسی چیز کا مجھے علم نہیں ہے، جبرئیل نے کہا ذرا آپ اندر جائزہ لیکر دیکھیں میں نے دیکھا (تو نئی بات یہی معلوم ہوئی) کہ وہاں ایک پلا تھا جس سے حضرت حسنؓ کھیلا کرتے تھے، میں نے کہا ایک پلے کے علاوہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، جبرئیل نے کہا جہاں ان تین چیزوں میں سے کوئی ایک بھی ہو کتا، جنابت اور کسی جاندار کی تصویر، وہاں فرشتہ نہیں پہنچ سکتا[1]

دنیا کی ہر قوم میں شادی بیاہ کے مواقع پر خویش و اقارب اور دوست احباب کی طرف سے مسرت اور خوشی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس میں کھانا پینا، ناچ گانا اور دوسری بہت سی لغویات شامل ہیں۔ اسلام نے خوشی کے اظہار کے ناپسندیدہ طریقوں کو ختم کیا، شادی میں سادگی کو رواج دیا، اس کے جائز حدود میں خوشی کے اظہار کی گنجائش بھی رکھی۔

حضرت عائشہؓ اپنے نکاح کی تفصیل بیان کرتی ہیں کہ میں لکڑی کے گھوڑے پر سوار اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں، میری والدہ ام رومان نے مجھے آواز دی، مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ کس لیے بلا رہی ہیں گھر پہنچا یا وہاں انصار کی کچھ عورتیں موجود تھیں۔ انہوں نے خیر و برکت اور خوش قسمتی کی دعائیں دیں، میری ماں کے کہنے پر انہوں نے میرا سر دھویا اور آراستہ پیراستہ کیا، اتنے میں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مجھے آپ کے حوالہ کر دیا گیا[2]

شادی بیاہ کے کاموں میں عورتوں کو مردوں سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے اس کی رعایت کی ہے۔ امام نوویؒ نے اس سے بعض باتوں کا استدلال کیا ہے۔ ایک یہ کہ دلہن کو پاک صاف اور شوہر کیلئے آراستہ کرنا مستحب ہے، دوسرے یہ کہ اس مقصد کے لیے عورتوں کا جمع ہونا بھی مستحب ہے۔ فرماتے ہیں کہ شریعت نے اعلانِ نکاح کا حکم دیا ہے، یہ اسی میں شامل ہے۔ ان کی شرکت کا فائدہ یہ ہے کہ وہ دلہن کی گھبراہٹ کو دور کرتی) اور اس کے اندر انس پیدا کرتی ہیں اور اسے شوہر سے ملاقات اور صحبت کے آداب سے روشناس کراتی ہیں[3]

---

[1] مسند احمد جلد ۱ ص ۸۵　[2] مسلم، کتاب النکاح، باب جواز تزویج الاب البکر الصغیرہ۔ بخاری، کتاب النکاح، باب الدعاء للنساء اللاتی یہدین العرس　[3] بخاری، کتاب النکاح، باب النسوة اللاتی یہدین المرأة ...... الخ

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح میں عورتوں کی شرکت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو شادی سے واپس ہوتے دیکھا تو زور سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا اے اللہ! یہ لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں[1]

اسی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ شادی میں نغمہ اور گیت گانے اور دف کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے محمد بن حاطب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فصل ما بین الحلال والحرام الدف والصوت فی النکاح[2]	حلال وحرام نکاح کے درمیان فرق دف کا استعمال اور آواز کا بلند ہونا ہے۔

حدیث کا منشاء یہ ہے کہ نکاح پوشیدہ طریقہ سے نہیں بلکہ اعلانیہ ہونا چاہیئے، دور ونزدیک کے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ فلاں مرد اور عورت کے درمیان نکاح کا رشتہ قائم ہے۔ اس کی ایک صورت دف کا بجانا اور مباح شعر ونغمہ کا پڑھنا اور دولہا دلہن کو مبارکباد دینا اور خوشی کا اظہار کرنا بھی ہے[3]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص کا نکاح ہوا، دلہن کو میں نے رخصت کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہؓ! کیا تمہارے پاس کھیل کود کا سامان نہیں تھا؟ انصار کو کھیل پسند ہے[4]

عامر بن سعدؓ کہتے ہیں کہ میں ایک شادی (ولیمہ) میں شریک ہوا وہاں حضرت قرظہ بن کعبؓ اور ابو مسعود انصاریؓ بھی موجود تھے، میں نے دیکھا کہ لڑکیاں گا رہی ہیں، عرض کیا آپ حضرات تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اور اہلِ بدر میں سے ہیں، آپ کی موجودگی میں یہ حرکت ہو رہی ہے، دونوں نے کہا پسند کرو تو تم بھی بیٹھو اور سنو، جانا چاہو تو جا سکتے ہو، ویسے شادی کے موقع پر ہمیں کھیل کود کی رخصت دی گئی ہے[5]

شادی بیاہ کے مواقع پر بعض اوقات جذبات پر قابو نہیں ہوتا، غلط اور ناجائز باتوں کا بھی ارتکاب ہو جاتا ہے اس بات کی ہدایت کی گئی ہے کہ مسرت اور خوشی کا اظہار حدود کے اندر ہونا چاہیئے، کسی حال میں بھی حدود سے تجاوز کی اجازت نہیں ہے۔

رُبَیّع بنتِ معوذ بن عفراءؓ کہتی ہیں کہ جس روز میری رخصتی ہو رہی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر

---

[1] نووی شرح مسلم جزء ۹ ص ۲۵۸ [2] بخاری، کتاب النکاح، باب ذہاب النساء والصبیان الی العرس۔ مسلم کتاب النکاح باب جواز تزویج الاب البکر الصغیرۃ [3] ترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء فی اعلان النکاح۔ نسائی، کتاب النکاح باب اعلان النکاح بالصوت [4] تحفۃ الاحوذی: ۲/۱۷۰ [5] نسائی، کتاب النکاح، باب اللہو والغناء عند العرس۔

تشریف لائے اور جس فرش پر میں بیٹھی تھی اسی پر تشریف فرما ہوئے۔ لڑکیاں دف کے ساتھ گا کر بدر کے ہمارے شہداء کا ذکر کرنے لگیں، اسی میں ایک لڑکی نے کہا وفینا نبی یعلم مافی غد "ہمارے درمیان ایسے نبی موجود ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں"، آپ نے فرمایا اسے ختم کرو وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں[1]۔

کسی بھی قوم کے تہوار اس کی تہذیب، معاشرت اور عقائد و افکار کے ترجمان ہوتے ہیں۔ ان میں پوری قوم اجتماعی طور پر خوشی مناتی اور اپنے جذبات کا اظہار کرتی ہے۔ ایرانیوں کے دو اہم تہوار نوروز اور مہرجان تھے، ان کے زیر اثر مدینہ میں بھی یہ تہوار منائے جاتے تھے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ تہوار غلط تھے مسلمان انہیں منا نہیں سکتے تھے اس لیے انہیں تبدیل کر دیا گیا تھا اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ مسلمانوں کے تہوار قرار پائے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

کان لاهل الجاهلية يومان فی کل سنة يلعبون فيهما فلما قدم النبی صلی الله عليه وسلم المدينة قال کان لکم يومان تلعبون فيهما وقد ابدلکم الله بهما خيرًا منهما يوم الفطر و يوم الاضحیٰ[2]

اہل جاہلیت کے سال میں دو دن تھے جن میں وہ کھیل کود کیا کرتے (اور خوشی مناتے) تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو فرمایا کہ تمہارے دو دن ایسے تھے جن میں تم کھیل کود کر خوشی مناتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے عوض ان سے بہتر دو دن تمہیں عطا کیے ہیں، وہ ہیں یوم الفطر اور یوم الاضحیٰ۔

جاہلیت کے تہواروں میں کھیل کود کے ذریعہ بھی خوشی کا اظہار ہوتا تھا، اس میں کوئی قباحت نہیں تھی اس لیے اس کی گنجائش رکھی گئی۔ احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ عید کا دن تھا کہ انصار کی کچھ لڑکیاں میرے پاس بیٹھی دف بجا کر گا رہی تھیں وہ باقاعدہ مغنیات نہیں تھیں بس خوش الحانی سے پڑھ رہی تھیں اور جنگ بعاث (اوس اور خزرج کے درمیان زمانۂ جاہلیت میں ہوئی تھی) میں انصار کے کارنامے بیان کر رہی تھیں، اتنے میں حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں یہ شیطانی آواز؟ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے فرمایا ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے، یہ ہماری عید کا دن ہے[3]۔ (انہیں خوشی کا اظہار کرنے دو)

حضرت عائشہؓ ہی کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ عید کے روز حبشہ کے لوگ مسجد میں نیزوں اور بھالوں کے

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب ضرب الدف فی النکاح والولیمہ [2] نسائی، کتاب صلوٰۃ العیدین۔ ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ العیدین [3] بخاری کتاب العیدین، باب سنۃ العیدین لاہل الاسلام۔ مسلم، کتاب العیدین۔

ذریعہ کھیل کا مظاہرہ کر رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے درخواست کی یا آپ ہی نے دریافت کیا کہ کیا تم یہ کھیل دیکھو گی؟ میں نے کہا ہاں! آپ نے مجھے اپنے پیچھے اس طرح کھڑا کر لیا کہ میرا رخسار آپ کے رخسارِ مبارک سے لگا ہوا تھا۔ جب میں تھک گئی تو آپ نے فرمایا کیا جی بھر گیا؟ میں نے عرض کیا ہاں! آپ نے فرمایا اچھا تو جاؤ۔[۱]

ابنِ حبان کی روایت میں ہے:۔

لما قدم وفد الحبشة قاموا يلعبون في المسجد۔	جب حبشہ کا وفد آیا تو اس کے لوگ مسجد میں کھیل کود کا مظاہرہ کرنے لگے۔

ان الفاظ سے خیال ہوتا ہے کہ حبشہ کے لوگ عموماً کھیل کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔[۲]

ایک اور روایت میں ہے:۔

لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة لعبت الحبشة لقدومه فرحا بذلك لعبوا بحرابهم[۳]	جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حبشہ کے لوگوں نے اس خوشی میں کھیل کا مظاہرہ کیا انہوں نے اپنے نیزوں سے اس کا مظاہرہ کیا۔

حضرت عمرؓ نے مسجد میں کھیل کود کا مظاہرہ کرنے والوں کو اس سے منع کرنے کیلئے ان پر کنکریاں پھینکیں، آپ نے فرمایا دعھم یا عمر[۴] یعنی انہیں کھیل جاری رکھنے دو، منع مت کرو۔ اوپر کی روایت میں ہے کہ آپ نے حبشیوں کی ہمت افزائی کرتے ہوئے فرمایا دونکم یا بنی ارفدہ[۵]۔ اے بنی ارفدہ! (حبش کے لوگوں کا لقب) اسے جاری رکھو۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

لتعلم اليهود ان في ديننا فسحة اني بعثت بحنيفية سمحة[۶]	یہود کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہمارے دین میں وُسعت ہے اور یہ کہ اللہ نے مجھے دینِ حنیف دے کر بھیجا ہے جس میں آسانی اور سہولت ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو خشکی یہود کے ہاں ہے اس سے دینِ حنیف کا مزاج میل نہیں کھاتا۔

اس واقعہ کا ایک قابلِ غور پہلو یہ بھی ہے کہ حبشیوں نے اپنے فن کا مظاہرہ مسجد جیسی مقدس جگہ میں کیا۔

---

[۱] بخاری، کتاب العیدین، باب الحراب والدرق یوم العید [۲] فتح الباری جلد ۲ ص ۴۴۳ [۳] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الغناء [۴] مسلم، کتاب العیدین [۵] بخاری کتاب العیدین، باب الحراب والدرق یوم العید [۶] فتح الباری جلد ۲ ص ۴۴۴

مشہور محدث مہلب کہتے ہیں:۔

المسجد موضوع لامر جماعۃ المسلمین فما کان من الاعمال یجمع منفعۃ الدین واھلہ جاز فیہ [۱]	مسجد مسلمانوں کی جماعت کی ضرورت کے لیے بنتی ہے اس لیے ایسے اعمال جن سے دین اور اہل دین کو نفع پہنچے اس میں ان کا انجام دینا جائز ہے۔

دوسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے اس کھیل کو دیکھا اور اس میں دلچسپی لی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقویٰ اور دینداری کے منافی نہیں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:۔

وفی الحدیث جواز النظر الی اللھو المباح [۲]	حدیث سے یہ نکلتی ہے کہ جو کھیل مباح اور جائز ہیں وہ دیکھے جا سکتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خوشی کے مواقع پر کسی ایسے فن اور ہنر کا مظاہرہ جس سے عام مسلمانوں کو فائدہ پہنچے غلط نہیں ہے۔ حبشیوں کے اس کھیل کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ بظاہر یہ ایک کھیل ہے لیکن اس سے نیزہ اور تلوار چلانے کی مشق اور دشمن سے مقابلہ کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، یہ ایک پسندیدہ عمل ہے [۳] حبشیوں کے اس مظاہرۂ فن کو کھیل اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں حقیقت پر عمل مقصود نہیں ہوتا، دکھایا جاتا ہے کہ دشمن پر حملہ ہو رہا ہے لیکن حملہ نہیں ہوتا، اس پہلو سے یہ ایک کھیل ہے [۴]

اہل عرب ایک طرف تکلف اور تصنع سے پاک اور سادہ مزاج تھے اور دوسری طرف جری، بہادر اور جنگجو تھے، تیر و کمان اور شمشیر و سناں سے انہیں عشق تھا، وہ اس کی مشق اور تیاری میں لگے رہتے، یہ ان کی معاشرتی زندگی کا ایک حصہ اور ان کی تفریح اور دلچسپی کا بڑا ذریعہ تھا۔ اسلام نے ان کے اس رجحان کو تقویت پہنچائی البتہ اسے صحیح سمت اور دینی و اخلاقی رُخ عطا کیا۔ قرآن مجید میں جنگ کے احکام دیتے ہوئے کہا گیا ہے:۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ۝ (الانفال ۶۰)	اور ان کے مقابلہ میں جہاں تک ہو سکے قوت اور تیار رہنے والے گھوڑے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعہ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو ڈرا سکو۔

دشمن کے مقابلے میں جس جنگی قوت کو فراہم کرنے کا یہاں ذکر ہے حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمی قوت سے مراد تیر اندازی ہے [۵] جس دور میں یہ بات کہی گئی اس میں تیر اندازی کو جنگ میں نمایاں اہمیت حاصل تھی موجودہ دور میں

---

[۱] فتح الباری جلد ۱ ص ۴۲۹ [۲] ایضاً [۳] ایضاً [۴] ایضاً جلد ۲ ص ۴۴۳ [۵] مسلم، کتاب الامارہ، باب فضل الرمی والحث علیہ..... الخ

جنگی قوت کا تعلق تیر اندازی سے نہیں توپ خانوں، بمبار طیاروں اور ان جدید اسلحہ سے ہے جو بحری اور بری جنگ میں استعمال ہوتے ہیں، یہ ایک الگ موضوع ہے۔ یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تیر اندازی جو اس دور کی جنگ کی ایک اہم ٹیکنیک تھی، اس کی آپ نے ترغیب دی اور تاکید فرمائی۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ ہی کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سُنا ہے۔

ستفتح علیکم ارضون ویکفیکم الله فلا یعجز احدکم ان یلهو باسهمه[1]

جلد ہی تمہارے لیے ممالک فتح ہونگے، دشمنوں کے شر سے اللہ تعالیٰ تمہیں بچائے گا لیکن تم میں سے کوئی بھی اپنے تیروں سے کھیلنے میں کمزوری اور سستی نہ دکھلائے۔

اس ارشاد کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ آئندہ تم مختلف ملکوں کو فتح کرو گے اس طرح اللہ دشمنوں کے شر سے تمہیں بچا لیگا لیکن اس کیلئے ضروری ہے کہ تم تیر اندازی میں تجربہ اور مہارت حاصل کرو، دوسرا مطلب یہ ہے کہ ملکوں کے فتح ہونے کے بعد تمہارے اندر غفلت نہ آنے پائے اور تم تیر اندازی کی مشق نہ چھوڑ بیٹھو، اسے جاری رکھو، یہ فتح و نصرت کا ذریعہ ہے۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ تیر اندازی کی مشق فرمایا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہمت افزائی ہوتی تھی ——— حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز مغرب سے فارغ ہونے کے بعد ہم لوگ تیر اندازی کرتے اور اس وقت اتنی روشنی باقی رہتی کہ ہم میں سے کوئی بھی شخص اپنے تیر کے گرنے کی جگہ دیکھ سکتا تھا[2]

حضرت سمرہؓ کہتے ہیں کہ میں اور ایک انصاری لڑکا ایک روز صبح کے وقت نشانہ باندھ کر تیر چلا رہے تھے، جب سورج دو یا تین نیزوں کے برابر بلند ہو گیا تو اسے گرہن لگ گیا اور سورج گرہن کی نماز پڑھی گئی[3] ——— حضرت سلمہ بن اکوعؓ کہتے ہیں کہ قبیلہ اسلم کے کچھ لوگ تیر اندازی کا مقابلہ کر رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گذر ہوا تو فرمایا بنو اسمٰعیل! تیر چلاؤ تمہارے باپ ابراہیم بھی تیر انداز تھے، تیر چلاؤ میں فلاں فلاں خاندان والوں کیساتھ ہوں، یہ سنکر دوسرے فریق نے ہاتھ روک لیے، آپ نے فرمایا تیر کیوں نہیں چلاتے؟ انہوں نے عرض کیا تیر کیسے چلائیں جبکہ آپ انکے ساتھ ہیں آپ نے فرمایا تیر چلاؤ میں تم سب کے ساتھ ہوں[4]

حضرت عقبہ بن عامرؓ پیرانہ سالی میں دو نشانات قائم کر کے انکے درمیان تیر اندازی کیلئے دوڑ رہے ہیں، فقیم اللخمی نے کہا کہ اس سن و سال میں آپ دوڑ لگا رہے ہیں، یہ آپ کے لیے مشقت کا باعث ہوگا۔ انہوں نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد میں نے سنا ہے، اسی وجہ سے یہ تکلیف برداشت کر رہا ہوں ورنہ اسکی ضرورت نہ تھی، وہ ارشاد یہ ہے:۔

من علم الرمی ثم ترکه فلیس منا او قد عصی[5]

جس نے تیر اندازی سیکھی پھر اسے چھوڑ بیٹھا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے یا یہ فرمایا کہ اس نے نافرمانی کی۔

---

[1] مسلم، کتاب الامارہ، باب فضل الرمی والحث علیہ.... الخ [2] ابو داؤد، کتاب الصلوٰۃ باب وقت المغرب [3] ایضاً، باب الکسوف [4] بخاری، کتاب الجہاد، باب التحریض علی الرمی [5] مسلم، کتاب الامارہ، باب فضل الرمی والحث علیہ.... الخ

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی ڈھال استعمال کر رہے تھے حضرت ابوطلحہؓ اچھے ناوک انداز تھے، جب وہ تیر چلاتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جھانک کر دیکھتے کہ تیر کہاں گر رہا ہے (اور کون اس کا نشانہ بن رہا ہے؟)[1]

غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن وقاصؓ کو اپنے ترکش سے تیر دے رہے تھے اور فرما رہے تھے: ارم فداک ابی و أمّی (تیر چلائے جاؤ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں) حضرت سعدؓ تیر چلا رہے تھے یہانتک کہ ترکش خالی ہو گیا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے صرف حضرت سعد بن وقاصؓ کے بارے میں آپ کی زبان سے یہ الفاظ سنے کہ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں[2]

تیراندازی کے ساتھ اس میں اشتراک وتعاون اور اس کی صنعت کا فروغ بھی باعث ثواب ہے حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان اللہ عزوجل یدخل بالسھم الواحد ثلاثۃ نفر الجنۃ صانعۃ یحتسب فی صنعۃ الخیر والرامی بہ ومنبلہ وارموا وارکبوا وان ترموا احبّ الیّ من ان ترکبوا لیس من اللھو الا ثلاث تادیب الرجل فرسہ وملاعبتہ اھلہ ورمیہ بقوسہ ونبلہ ومن ترک الرمی بعد ما علمہ رغبۃ عنہ فانھا نعمۃ ترکھا او قال کفرھا[3]

اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ذریعہ تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرماتا ہے اس کا بنانے والا جو اپنی صنعت کے ذریعہ خیر اور ثواب کا طالب ہو، اس تیر کا چلانے والا اور تیر کے چلانے میں مدد کرنے والا' تم تیراندازی اور گھڑسواری کرو' تمہارا تیراندازی کرنا تمہاری گھڑسواری سے بھی زیادہ مجھے پسندیدہ ہے' تین چیزیں ایسی ہیں جو لہو ولعب میں شامل نہیں ہیں۔ آدمی کا اپنے گھوڑے کو سدھانا، اپنی بیوی سے ہنسی مذاق کرنا اور اپنے تیر وکمان سے ناوک زنی کرنا جس کسی نے تیراندازی سیکھنے کے بعد بے رغبتی کے ساتھ اسے ترک کر دیا اس نے ایک نعمت کو ترک کیا یا آپ نے فرمایا کہ اس نعمت کی ناقدری کی۔

احادیث سے تیراندازی کی طرح گھڑسواری کی بھی ترغیب دی گئی ہے اسکی اہمیت اپنی جگہ ثابت ہے لیکن آدمی گھوڑے پر سوار ہونے کے باوجود زیادہ فاصلے سے دشمن پر حملہ نہیں کر پاتا، البتہ دُور سے اس پر ناوک فگنی کی جاسکتی ہے' اس پہلو سے اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے اسی کو حدیث میں نمایاں کیا گیا ہے ——— تیراندازی جرأت وبہادری کی علامت ہے' اس کا سیکھنا، اس کی مشق کرنا، اس میں تعاون کرنا، بشرطیکہ یہ سب پاکیزہ مقاصد کیلئے ہو تو عین ثواب ہے ورنہ باعث عذاب ہے۔

O———O———O

---

[1] بخاری، کتاب الجہاد، باب المجن ومن تیرس بترس صاحبہ [2] بخاری، کتاب المغازی، غزوۂ اُحد [3] ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب الرمی ـــ ترمذی، ابواب الجہاد، باب ماجاء فی فضل الرمی فی سبیل اللہ۔ نسائی، کتاب الجہاد۔

ارضِ مقدس کا سفر سعودیہ سے کیجئے
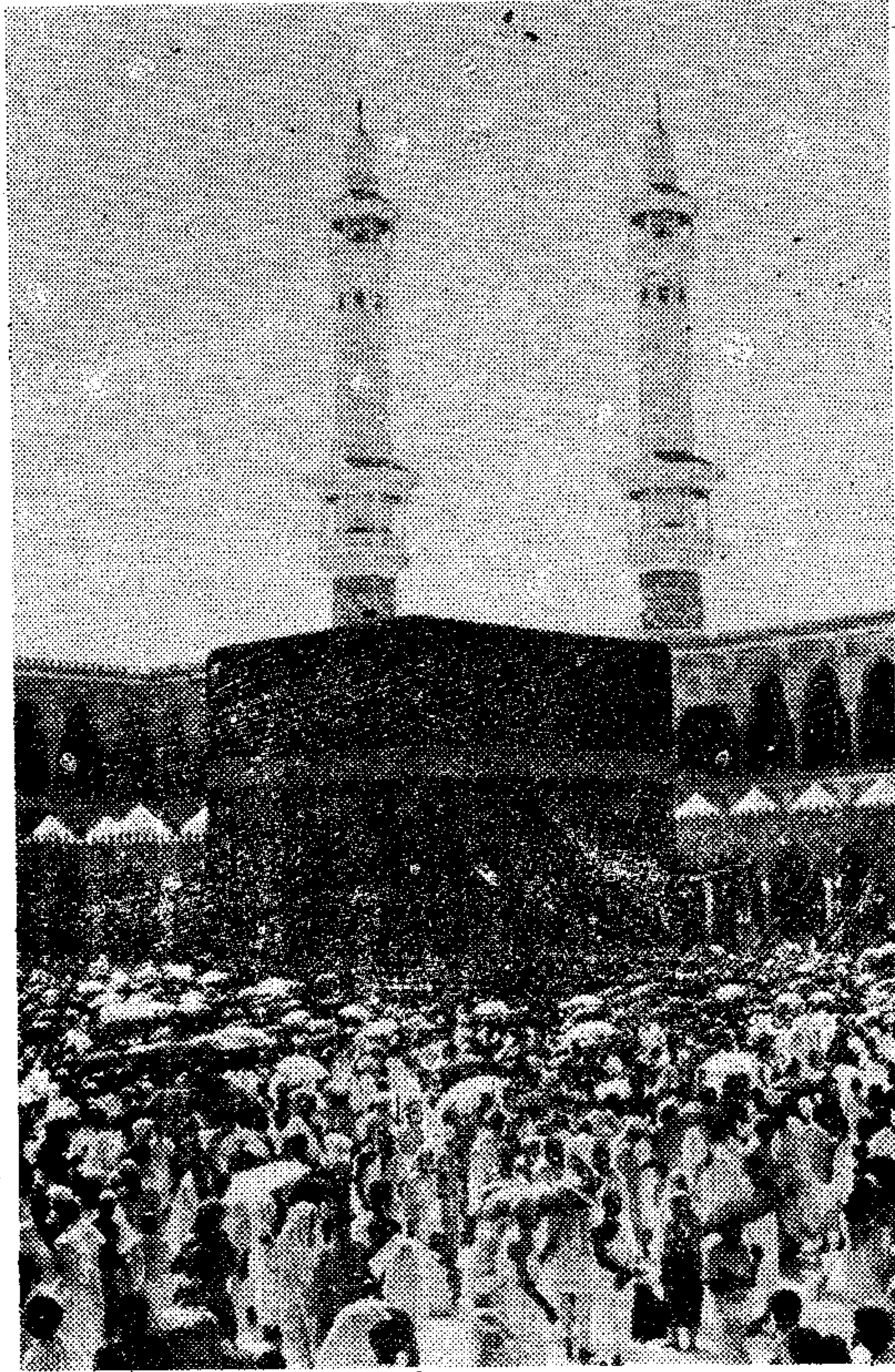
عمرے کی ادائیگی ہر مسلمان کی دلی آرزو ہے۔ مقاماتِ مقدسہ کے خوشگوار سفر کے لئے سعودیه سے بہتر کوئی نہیں۔

سعودیه آپ کے لئے مثالی عمرہ فلائٹ کا اہتمام کرتا ہے۔ سفر پر روانگی سے پہلے کی خصوصی دعا سے لے کر میقات الاحرام کے اعلان تک۔

اس اہم ترین سفر کے لئے اہم ترین فیصلہ کیجئے۔ سعودیه سے پرواز کیجئے۔

مزید تفصیلات اور نشست محفوظ کرانے کیلئے اپنے ٹریول ایجنٹ یا سعودیہ کے ریزرویشن دفاتر سے رجوع کیجئے۔

SV. 2. 91

ORIENT

دفتر ہو، یا فیکٹری
دوکان ہو، یا گھر
شیشہ
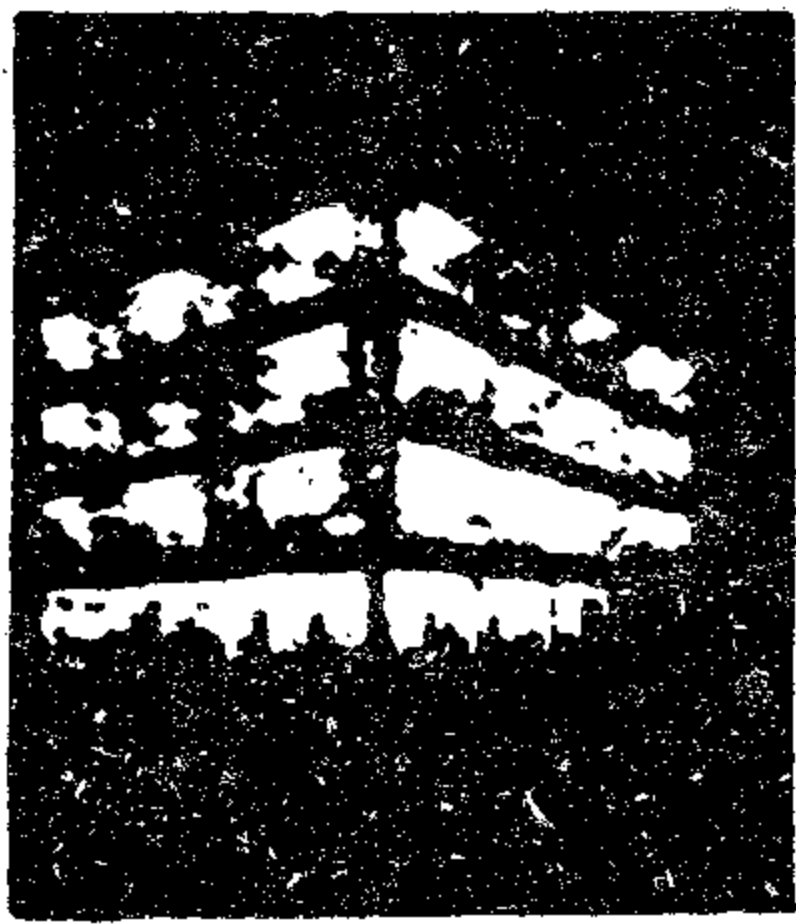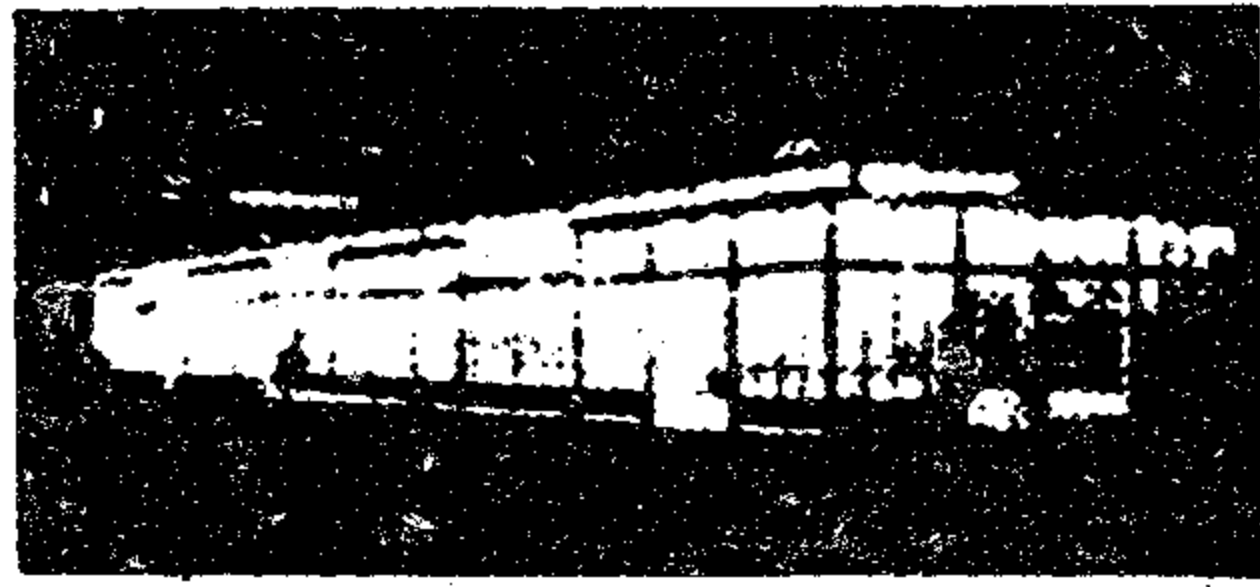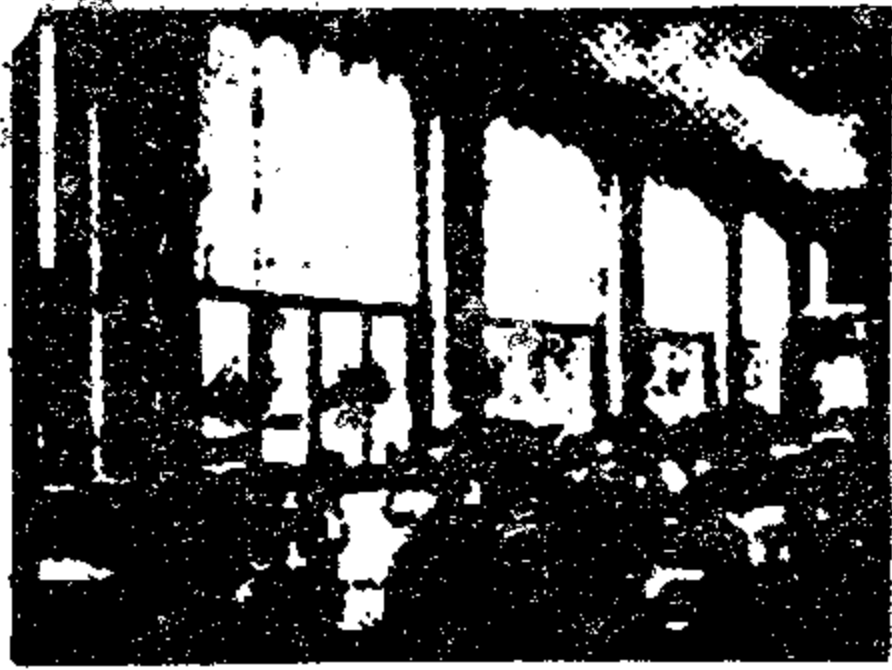
خواجہ کا
خواجہ گلاس انڈسٹریز لمیٹڈ
شاہراہ پاکستان —— حسن ابدال
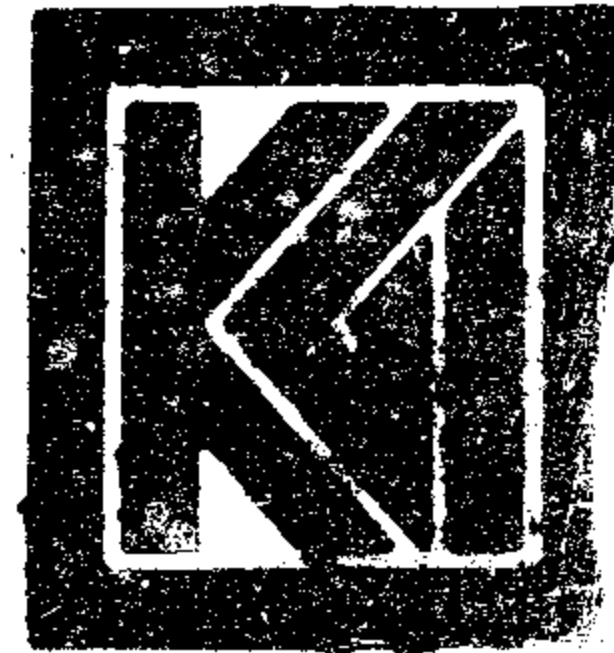
جناب عبدالحی ابڑو صاحب
اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

اسلام کا فلسفۂ معصیت و ابتلاء

انسان میں معصیت اور گناہ کے ارتکاب کی خواہش فطری طور پر موجود رہتی ہے جس کی تکمیل کے لیے نفس امارہ اسے ابھارتا رہتا ہے۔ چونکہ انسانی نفس کمزوری اور طاقت کے مختلف ادوار اور مد و جزر کے حالات سے گزرتا رہتا ہے لہٰذا کچھ لوگ تو اپنے نفس کو کھلی چھٹی دے کر نفسانی خواہشات کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ایسے انجام سے دوچار ہو جاتے ہیں جس سے وہ پہلے سے پوری طرح باخبر ہوتے ہیں۔

اس کے برعکس کچھ دیگر افراد اگرچہ ارتکاب معصیت کے اس درجے تک نہیں پہنچتے مگر ان کے نفس ارتکاب معصیت کی خواہش ضرور رکھتے ہیں، البتہ ان کی یہ خواہش، خواہش ہی رہتی ہے عملی ارتکاب تک نوبت نہیں پہنچتی۔ تو کیا معصیت کے ارتکاب کی خواہش رکھنے والے افراد کے لیے کوئی سزا ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایسے لوگوں کے بارے میں دریافت کیا گیا جو معصیت کرنے کی خواہش تو رکھتے ہیں مگر اس کا ارتکاب نہیں کرتے تو انہوں نے فرمایا: "یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے، ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے"۔

میمون بن مہران کہتے ہیں: "زبان سے اللہ کو یاد کرنا اچھا ہے، لیکن اس سے افضل درجہ یہ ہے کہ آدمی اللہ کو گناہ کے ارتکاب کے موقع پر یاد کر کے اس سے رک جائے"۔

حضرت عبداللہ ابن المبارک رحمۃ اللہ سے لقمان حکیم کی اس نصیحت کے بارے میں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھی اور جس میں انہوں نے فرمایا تھا "اگر بات کرنا چاندی ہے تو خاموشی سونے کے برابر ہے" کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: "اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کے سلسلے میں کی گئی بات چاندی کے برابر ہے تو اللہ کی معصیت کی بات کہنے سے خاموشی اختیار کرنا سونے کے مانند ہے"۔

کسی بزرگ کا قول ہے: "جنت کو عمل کے بغیر طلب کرنا گناہ کی ایک قسم ہے، سنت کی پیروی کیے

بغیر شفاعت کی امید رکھنا اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے، اور معصیت کے ساتھ اللہ کی رحمت کی امید رکھنا حماقت و نادانی ہے"۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو جنت کا طلب گار ہونے کے باوجود بھی سوتا رہے اور آگ سے بچنے کی خواہش کے باوجود سوتا رہے"۔ (ترمذی)

کتب حدیث میں مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اگر آسمان اور زمین والوں کو عذاب میں مبتلا کر دے تو یہ اس کی طرف سے کوئی ظلم نہ ہوگا، اور اگر ان پر رحم فرمائے تو اس کی یہ رحمت ان کے اعمال سے بدرجہا بہتر اور بلند ہوگی"۔

ام الخبائث

جن گناہوں میں آج کل بہت سے مسلمان مبتلا ہیں ان میں سے ایک شراب نوشی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "یہ شراب اور جوا، اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں۔ ان سے پرہیز کرو امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی"۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کو ام الخبائث (برائیوں کی جڑ) قرار دیا ہے۔ مشہور مفسر علامہ قرطبی فرماتے ہیں: "شرابی عقلمندوں کے کھیل تماشے کا نشانہ بنتا ہے، کئی شرابیوں کو اپنے فضلات سے کھیلتے اور انہیں اپنے چہرے پر ملتے دیکھا گیا ہے۔ کچھ لوگ تو ایسے بھی دیکھے گئے ہیں جو شراب میں دھت اپنے پیشاب سے چہرے کو ملتے ہوئے یہ کہتے جا رہے تھے کہ اللّٰھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطہرین کچھ اور حضرات کے چہرے کو نشے کی حالت میں کتا کاٹ رہا تھا اور وہ اسے دعا دے رہے تھے کہ اللہ تمہیں اسی طرح عزت دے جس طرح تم نے مجھے عزت دی ہے"۔

بلکہ اس سے بڑھ کر موجودہ زمانے میں فحاشی کے ایسے واقعات بھی سننے میں آتے رہتے ہیں جن سے آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جیسے انتہائی قریبی رشتے داروں کے درمیان بے حیائی کے واقعات، یہ سب اس "ام الخبائث" کی پیداوار ہیں مگر افسوس صد افسوس کہ اس کے باوجود ہمارا معاشرہ عبرت پکڑنے کو تیار نہیں۔

شرک

شرک بھی ہمارے معاشرے کی ایک عام بیماری ہے۔ شرک کے سلسلے میں ہم یہاں صرف ایک قصہ نقل کرنا مناسب خیال کرتے ہیں جس کا سبب ایک مکھی تھی۔ وہ قصہ یہ ہے: "حضرت سلیمانؑ کہتے ہیں کہ ایک شخص مکھی کی وجہ سے جنت میں داخل ہو گیا جبکہ دوسرا اسی مکھی کی وجہ سے جہنم کا مستحق بن گیا۔ حاضرین نے سوال کیا کہ وہ کیسے؟ حضرت سلیمان نے کہا: دو اشخاص کا گذر کسی قوم کے ہاں سے

ہوا جن کے ہاں ایک بت رکھا ہوا تھا اس بت کے آگے سے گزرنے کے لیے ضروری تھا کہ کوئی ہدیہ اس کے سامنے پیش کیا جاتے۔ اس قوم کے لوگوں نے دونوں ساتھیوں میں سے ایک کو کہا کہ کوئی ہدیہ پیش کیجئے۔ اس نے کہا کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ کچھ نہ کچھ ضرور پیش کرو چاہے ایک مکھی ہی سہی۔ اس نے مکھی پیش کر دی اور اسے چھوڑ دیا گیا۔ دوسرے سے بھی یہی کہا گیا کہ کچھ نہ کچھ نذرانہ دو چاہے مکھی ہی کیوں نہ ہو۔ اس نے جواباً کہا کہ میں اللہ کے علاوہ کسی کے آگے کوئی چیز پیش نہیں کر سکتا۔ چنانچہ انہوں نے اس کی گردن اڑا دی اور وہ جنت کا حقدار بن گیا۔"

تکبّر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے دن جابروں اور تکبر کرنے والوں کو چیونٹیوں کی شکل میں لایا جاتے گا جنہیں لوگ اپنے پاؤں سے روندیں گے، اللہ کے ہاں ان کی کوئی وقعت نہیں ہوگی یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جاتے گا۔ پھر انہیں "نار الانیار" کی طرف لے جایا جاتے گا۔ پوچھا گیا کہ نار الانیار کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اہل دوزخ کے فضلات اور پیپ کی جگہ۔ (ابن اثیر نے "نار الانیار" کا مطلب لکھا ہے "سب سے بڑی آگ)۔

ہلاکت کی طرف لے جانے والی معصیت ایک دشمن اسلام کا ذکر ہے کہ اس نے ایک بندۂ خدا کو گمراہ کرنا چاہا۔ اس سے ایک کتا لانے کا مطالبہ کیا۔ اس کے انکار پر اس نے معاملے کو اس کے سامنے آسان بنا کر پیش کیا اور اسے مال کا لالچ دلایا، اور کہا کہ تمہارے دین و ایمان میں ایک کتا لانے سے کیا کمی واقع ہو جاتے گی، بھلا ایسا کرنے سے تم کسی بڑے گناہ میں مبتلا ہو جاؤ گے؟ یہ مال لے لو اس سے اپنی ضروریات پوری کر لو۔

اور جب وہ کتا لے کر آیا تو اس نے اسے ذبح کرنے کا حکم دیا جس پر وہ مشتعل ہو گیا اور چیخنے لگا، اور دلائل پیش کرنے لگا کہ کتے کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے وہ برابر اسے مال کا لالچ دلاتا رہا یہاں تک کہ وہ بات مان گیا۔ اس کے بعد اسے کاٹنے اور پکوانے پر راضی کرنے میں بھی اسے مشکل پیش نہیں آئی۔ اس کی گود میں پڑنے والے وافر مال نے اس کو بالآخر کتے کا گوشت کھانے پر بھی آمادہ کر دیا۔ اس طرح اس دشمنِ اسلام نے مال و دولت کے ذریعے اسے گمراہ کر کے بتدریج ایک ایسے گناہِ عظیم میں مبتلا کر دیا جو اس کے لیے باعثِ ہلاکت و بربادی ثابت ہوا۔

کچھ بات اس دنیاداری اور دولت مندی کی بھی ہو جاتے جو آگ کا موجب بن جاتی ہے، اور اسی فکر کی بھی جو جنت کی طرف لے جاتا ہے۔ حضرت سعید بن ایمنؓ کہتے ہیں: ایک دفعہ آپؐ اپنے اصحابؓ سے گفتگو میں مصروف تھے کہ اس دوران ایک فقیر شخص آ کر ایک دولت مند شخص کے پہلو میں بیٹھ گیا، چنانچہ

دولت مند شخص نے اپنے کپڑے سمیٹ لیے یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا اور فرمایا: اے فلاں! کیا تمہیں اس بات کا خطرہ محسوس ہوا تھا کہ کہیں تمہاری دولت مندی اس کی طرف منتقل اور اس کا فکر تمہاری طرف منتقل نہ ہو جائے؟ اس نے پوچھا کہ "یا رسول اللہ کیا دولت مندی بری چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: "ہاں، تمہاری دولت مندی تمہیں آگ کی طرف، اور اس کا فقر اسے جنت کی طرف بلاتا ہے"۔ اس نے پوچھا کہ مجھے اس سے کیا چیز نجات دلا سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا: "اس کی مدد اور غمخواری کرو"۔ اس نے کہا: میں اس کے لیے تیار ہوں۔ دوسرے شخص نے کہا: مجھے اس کی دولت سے کوئی غرض نہیں۔ آپ نے فرمایا: اب تم اپنے بھائی کے لیے استغفار اور دعا کرو۔" شاید اس حدیث کی روشنی میں ہمارے زمانے کے دولت مند حضرات اپنے مال و دولت (جس کے ذریعے اللہ انہیں آزمانا چاہتا ہے) میں اللہ کے حق کو پہچانیں اور اسے ادا کریں۔ کیا انہیں اس بات کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کہ وہ جس مال کے حقوق ادا نہیں کرتے قیامت کے دن اسے ان کی گردنوں کا طوق بنا کر جہنم کی کی طرف لے جایا جائے گا پھر اس دن انہیں اس انجام سے کون بچا سکے گا۔

اللہ تعالےٰ لوگوں کو مال و دولت کی وجہ سے عزت نہیں دیتا بلکہ اس کی نظر تو دلوں کی طرف ہوتی ہے گویا مال دلوں کی سختی یا نرمی کی آزمائش و امتحان کا ذریعہ ہے۔

یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اللہ کے نزدیک مال کی حیثیت کسی معیار کی نہیں بلکہ معیار تو ایک اور بڑی چیز ہے ہم یہاں ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں۔

حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام جن کا محل ایک ہزار کمروں پر مشتمل تھا اوپر کا حصہ شیشے اور نچلا حصہ لوہے سے بنا ہوا تھا، ایک دن ہوا کے دوش پر سوار ہوئے (جو ان کے لیے مسخر تھی) اور ایک کسان کے ہاں سے ان کا گزر ہوا جس نے ان کی طرف دیکھ کر کہا: "اولادِ داؤد کو کتنی بڑی بادشاہت سے نوازا گیا ہے"۔ ہوا نے اس کی یہ بات اٹھا کر حضرت سلیمانؑ کے کان تک پہنچا دی۔ راوی کہتے ہیں: یہ سن کر حضرت سلیمانؑ نیچے اتر کر کسان کے پاس آئے اور کہا: میں نے تمہاری بات سن لی ہے، اور میں تمہارے پاس اس لیے آیا ہوں تاکہ تم جس بات کی طاقت نہیں رکھتے اس کی خواہش نہ کرو۔ سنو، ایک دفعہ کی تسبیح کہنا جسے اللہ قبول کر لے ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جو آلِ داؤد کو عطا کی گئیں ہیں۔ کسان نے کہا: اللہ تمہاری پریشانیاں بھی اسی طرح دور کر دے جس طرح تم نے میری پریشانی زائل کر دی"۔

سبحان اللہ، کیا اس کے بعد بھی کسی کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ دنیا کو اپنا مقصد بنا لے۔ یہاں تک کہ اس دوڑ میں وہ استغفار اور اللہ کی تسبیح کو بھی بھلا بیٹھے۔ حدیث نبوی ہے: "بخدا مجھے تمہارے فقر و محتاجی

کا خطرہ نہیں، لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ جب دنیاوی لحاظ سے تمہیں وسعت و کشائش دی جائے گی تو کہیں تم اس دوڑ میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے کی کوشش میں نہ لگ جاؤ جیسے پچھلی امتوں نے کیا تھا پس وہ تمہیں اسی طرح ہلاک کر دے گی جیسے اس نے انہیں ہلاک کر دیا تھا۔"

حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں: "بخدا میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جن میں سے اگر کوئی اس مال میں سے کچھ لینا چاہتا تو بآسانی لے سکتا تھا، انہیں کہا جاتا تھا کہ اس مال حلال میں سے اپنا حصہ کیوں نہیں وصول کرتے جواب دیتے کہ نہیں، ہمیں ڈر ہے کہ کہیں یہ مال ہمارے دلوں کے اندر بگاڑ پیدا نہ کر دے۔"

جزا و سزا کا معیار کیا ہے؟ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں: "نیکی کا بدلہ یہ ہے کہ اس کے بعد ایک اور نیکی کی توفیق نصیب ہوتی ہے جبکہ برائی کی سزا یہ ہے کہ اس کے بعد ایک اور برائی کے ارتکاب کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔"

حضرت عبداللہ بن المبارکؒ سے جب کسی لغزش کا ارتکاب ہو جاتا تو فرماتے کہ مجھے اپنے گھر بار اور مال حتیٰ کہ گھوڑے تک میں اس گناہ کا اثر محسوس ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ گناہ کی خطرناکی کے متعلق آپ کا احساس اور شعور نہایت گہرا تھا، جبکہ عام لوگ اس گناہ کو بہت معمولی اور ہلکا محسوس کیا کرتے ہیں۔

حدیث نبوی ہے: "مومن کو جو تھکاوٹ، تکلیف، رنج و غم اور پریشانی پہنچتی ہے۔ حتیٰ کہ جو کانٹا اسے چبھتا ہے ان تمام کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرماتے ہیں۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ کتنی سخت آیت ہے، "من یعمل سوٓءا یجزبه" (جو کوئی بھی برا کام کرے گا اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا) آپ نے فرمایا، "اے ابوبکر دنیاوی مصیبتیں بدلہ ہی تو ہیں"۔ (ادب الدنیا والدین، ماوردی صـ۱)

فرمانبرداری اور نافرمانی کے لحاظ سے لوگوں کے حالات

ابوالحسن الماوردیؒ نے اوامر کی پابندی اور منکرات سے اجتناب کے لحاظ سے لوگوں کے چار حالات بیان کئے ہیں: پہلی قسم ایسے لوگوں کی ہے جو اطاعت گزار ہیں اور معصیت سے اپنے آپ کو بچائے رکھتے ہیں۔ یہ اہل دین کا اعلیٰ درجہ ہے اور متقین کی افضل ترین صفت ہے۔ ایسے لوگ اپنے اچھے کاموں کا صلہ ضرور پائیں گے۔ حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "گناہ بھلایا نہیں جاتا، نیکی کبھی پرانی نہیں ہوتی، بدلہ دینے والا ہمیشہ زندہ ہے، جیسا چاہو حال اختیار کرو، جیسا کرو گے ویسا ہی بھرو گے"۔ کسی نے کہا ہے: "ہر شخص وہی کاٹے گا جو اس نے بویا ہے، اور جیسا کرے گا ویسا ہی بدلہ پائے گا۔"

دوسری قسم ایسے لوگوں کی ہے جو اطاعت و فرمانبرداری کے کام نہیں کرتے اور گناہوں کے ارتکاب میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ بندوں کے حالات میں سب سے بری حالت ہے ایسا شخص دو عذابوں کا مستحق ہے ایک فرض کردہ اطاعت کے کاموں سے غفلت اور لاپرواہی برتنے کی وجہ سے اور دوسرے معصیت کے ارتکاب کی جرأت کی بنا پر ابن شبرمہ کہتے ہیں، تعجب ہے ایسے شخص پر جو بیماری کے ڈر سے حلال و پاکیزہ چیزوں سے تو پرہیز کرتا ہے، لیکن آگ کے ڈر سے معصیت کے ارتکاب سے اجتناب نہیں کرتا۔ ابن ضبارہ کہتے ہیں:۔ غور و فکر کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اللہ کی اطاعت کے سلسلے میں صبر کرنا آسان ہے۔ بہ نسبت اللہ کے عذاب پر صبر کے "۔ ایک اور بزرگ کا قول ہے،" اللہ کے بندو، ایسے کام کے کرنے پر صبر کرو جس کے ثواب کے بغیر تمہارا چارہ نہیں۔ اور اس کام سے رکنے پر صبر کرو جس کی سزا برداشت کرنے کا تمہارے اندر حوصلہ اور قوت موجود نہیں" حضرت فضیل بن عیاضؒ سے کہا گیا، اللہ آپ سے راضی ہو گیا۔ انہوں نے جواب دیا، وہ مجھ سے کیسے راضی ہو گیا جبکہ میں نے ابھی اسے راضی ہی نہیں کیا۔

تیسری قسم ایسے لوگوں کی ہے جو نیکی و اطاعت کے کام بھی کرتے ہیں اور معصیت کا ارتکاب بھی۔ ایسے لوگ معصیت پر جرأت کرنے کے مستحق ہیں۔ حضور اکرمؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا "گناہوں سے رک جاؤ قبل اس کے کہ خدا تمہیں اپنی گرفت میں لے کر توڑ مروڑ کر رکھ دے"۔ اسی لیے بعض علماء نے کہا ہے کہ لوگوں میں سے بہتر وہ آدمی ہے جس کے دین کو نفسانی خواہش نے خراب نہ کیا ہو، اور شک و شبہ نے اس کے یقین کو متزلزل نہ کیا ہو۔ بعض صالحین کا قول ہے "گناہوں کے مرتکب لوگ دلوں کے مریض ہیں" فضیل بن عیاضؒ سے پوچھا گیا، کون سی چیز سب سے زیادہ تعجب انگیز ہے؟ انہوں نے کہا، وہ دل جس نے خدا کو پہچان کر بھی اس کی نافرمانی کی۔ حضرت ابن عباس سے ایک شخص نے پوچھا، ان دونوں میں سے کون سا شخص آپ کو پسند ہے وہ جس کے گناہ کم اور اعمال بھی کم ہیں یا وہ جس کے گناہ زیادہ اور اعمال بھی زیادہ ہیں؟ ابن عباس نے فرمایا، میں کسی چیز کو بھی گناہوں سے بچنے اور محفوظ رہنے کے برابر نہیں ٹھہراتا۔ ایک زاہد سے رات کی نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا، دن میں اللہ کا خوف رکھو اور رات کو آرام کرو۔ ایک زاہد نے ایک شخص کو کسی کے متعلق کہتے سنا کہ اسے نیند نے ہلاک کر دیا۔ زاہد نے کہا نہیں انہیں تو بیداری نے ہلاک کیا ہے۔

چوتھی قسم ایسے لوگوں کی ہے جو نہ نیکی کے کام کرتے ہیں نہ گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں ایسے لوگ اپنے دین سے غفلت اور یقین کی کمی کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہیں۔ حضرت ابوذر غفاریؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، موسیٰؑ کے صحیفے سارے کے سارے عبرتوں کا مرقع تھے

(بقیہ صہ ۴۷ پر)

مولانا محمد مدرار اللہ مدرار نقشبندی

اصل دیت اونٹوں کی طرح نقدین بھی ہے

موقر "الحق" بابت مارچ ۱۹۹۱ء میں حضرت مولانا سید تصدق بخاری صاحب کا فاضلانہ مضمون نظر سے گذرا۔ جس کا عنوان تھا ــــ "اصل دیت کیا ہے سو اونٹ یا دس ہزار درہم" مضمون میں مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب کی اس رائے سے اختلاف کیا گیا تھا۔ کہ قتل خطاء کی صورت میں خون بہا دس ہزار درہم ہیں۔ اور اس امر پر اصرار فرمایا گیا تھا کہ دس ہزار شرعی درہم کی قیمت سے دیت ادا نہیں ہوسکتی۔ اس لیے کہ اصل دیت سو اونٹ ہی ہیں۔ یا فیصلہ کے وقت سو اونٹوں کی جو قیمت ہو، وہی اصل دیت ہے دوسری جو چیزیں بھی سہولتاً دیت میں دی جائیں گی وہ بحساب سو اونٹوں کی مروجہ قیمت کے مساوی دی جائیں گی مقررہ چیزوں کی صورت میں اس سے کم یا زیادہ دینے سے شرعی دیت ادا نہ ہوگی"

اسی مسئلہ کی ضرورت اور اہمیت اس امر کی متقاضی ہے کہ اس پر شرعی دلائل اور حنفی مسلک کی روشنی میں تفصیلی بحث کی جائے۔ تاکہ کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے۔ یہ امر تسلیم ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل عمداً و رشبہ عمد میں دیت مغلظہ اور قتل خطاء میں سو اونٹوں کی دیت مخففہ مقرر کی ہے۔ بدیں تفصیل کہ قتل عمداً ورشبہ عمد میں دیت مغلظہ اور قتل خطاء میں دیت مخففہ ہے۔ شبہ عمد کی تعریف خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الا ان قتیل العمد الخطاء بالسوط والعصا مائة من الابل مغلظة۔

"آگاہ ہو کہ بیشک قتل عمد خطاء میں جو کوڑے اور لاٹھی مارنے سے واقع ہو جائے تو اس کی دیت سو اونٹ ہیں اور مغلظہ ہے"۔ (ابن ماجہ ج ۲ ص ۸۷۵)

مغلظہ اور مخففہ میں جو فرق ہے وہ تعدد کا نہیں بلکہ اونٹوں کی اقسام اور ان کی عمروں کا ہے۔
"درمختار" وغیرہ کتب فقہ میں ہے کہ شبہ عمد کی دیت سو اونٹنیاں ہیں چار قسم کی (ارباعًا) ۲۵ اونٹنیاں پوری یک سالہ، ۲۵ پوری دو سالہ، ۲۵ پوری سہ سالہ اور ۲۵ پوری چار سالہ۔ اور یہی دیت مغلظہ ہے۔ اور

دیت مخففہ قتل خطا۔ میں مقرر ہے جو اخماساً یعنی پانچ قسم کی اونٹنیاں ہیں۔ بیس اونٹنیاں پوری سوسالہ، بیس اونٹنیاں پوری سہ سالہ، بیس پوری چار سالہ، بیس پوری پانچ سالہ اور بیس نر اونٹ یک سالہ۔

اس حساب سے قتل عمد اور شبہ عمد کی دیت کے مقابلے میں قتل خطا۔ کی دیت میں قتل کے لیے قدرے تخفیف پیدا کی گئی ہے۔ قتل خطا۔ وہ ہے جس میں قاتل کا کوئی ارادۂ قتل نہ ہو۔ اور غلطی سے واقع ہو جائے مثلاً شکار پر تیر چلا رہا تھا کہ اچانک اس کی زد میں کوئی شخص آکر ہلاک ہو جائے۔

دیت کے انواع ثلاثہ ملحوظ رہے کہ جس طرح اونٹوں کی دیت تقدیر شرعی ہے اسی طرح نقدین یعنی سونے کے ایک ہزار دینار اور چاندی کے دس ہزار درہم کی دیت بھی تقدیر شرعی ہے۔ اور فقہاء کرام نے تینوں دیتوں میں سے ہر ایک دیت کو اصل قرار دیا ہے۔ قتل عمد اور شبہ عمد میں اونٹوں کی صورت میں دیت مغلظہ ہو گی۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن نقدین یعنی سونے کے ایک ہزار دینار اور چاندی کے دس ہزار درہم میں دیت مغلظہ نہ ہو گی۔ یعنی اس میں زیادتی نہیں کی جائے گی اور کمی بھی نہیں کی جائے گی۔ حنفیہ کے نزدیک قاتل کو اختیار حاصل ہے کہ تینوں دیتوں میں سے جس دیت کو وہ اپنے لیے آسان سمجھے وہی ادا کرے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اختیار قاضی یعنی حاکم کو بھی حاصل ہے کہ وہ قاتل پر انواع ثلاثہ میں سے جو دیت مناسب سمجھے عائد کرے۔

اس مدعا کے ثبوت کے لیے درج ذیل مسائل ملاحظہ ہوں۔

"اور دیت کی مقدار سونے کے ایک ہزار دینار ہیں کیونکہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلم اور ذمیؓ کی دیت ایک ہزار دینار مقرر کی ہے اور اسی پر اجماع ہے اور چاندی میں سے دس ہزار درہم ہیں۔ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ بارہ ہزار درہم ہیں اور اونٹوں میں سے سو ہیں۔ اور قاتل کو اختیار ہے کہ تینوں قسم کی دیتوں میں سے جو دیت چاہے ادا کرے اور دیت ثابت نہیں ہوتی مگر ان تینوں قسم کی دیتوں میں سے۔ اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔ (حاشیہ شرح الیاس ج ۴ ص ۱۷۶)

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا مسلک بھی یہی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

"اور دیت اونٹوں میں سے سو ہیں اور سونے کے ایک ہزار دینار ہیں اور چاندی کے دس ہزار درہم ہیں چنانچہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کیا ہے کہ چاندی کی دیت دس ہزار درہم ہیں اور یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک بارہ ہزار درہم ہیں۔ اور دیت ثابت نہیں ہوتی مگر انہی تین انواع میں سے امام ابو حنیفہؒ

کے نزدیک اور ان کے صاحبین کے نزدیک بھی کہ انہی تین انواع میں دیت ثابت ہے۔ مگر صاحبین کے نزدیک گائیں رکھنے والوں پر دو سو گائیں اور بکریاں رکھنے والوں پر دو ہزار بکریاں اور کپڑے رکھنے والوں پر کپڑوں کے دو سو جوڑے دیت ثابت ہے"۔
(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۲۳۶)

حضرت شیخ دہلویؒ دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

" نفس سے قتل کرنے میں اونٹوں میں سو اونٹ دیت ہے یعنی اس شخص پر جو اونٹ رکھتا ہے۔ اور سونا رکھنے والوں پر ایک ہزار دینار اور چاندی رکھنے والوں پر دس ہزار درہم دیت ہیں۔ اور اس کو ذکر نہ کیا قیاس پر اکتفا کرنے کی وجہ سے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ اتفاق اور واقعے کی بات ہے کہ اونٹ رکھنے والوں سے دیت میں اونٹ لیتے ہیں۔ اور سونا رکھنے والوں سے سونا۔ ورنہ یہ واجب نہیں کہ اونٹوں کے بغیر دیت میں درہم و دینار کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۲۳۹)

انواع ثلاثہ اصول ہیں

جس طرح تسلیم کیا جاتا ہے کہ اصل دیت اونٹ ہیں۔ اسی طرح فقہاء کرام نے نقدین کو بھی اصل دیت قرار دیا ہے۔ اور کل انواع کو اصول کہا ہے۔ مسائل ملاحظہ ہوں۔

" بلاشک کل انواع یعنی انواع ثلاثہ اصول ہیں جیسا کہ ابو بکر رازیؒ نے کہا ہے اور یہی ہمارے اصحاب کا ظاہر مذہب ہے"۔ (جامع الرموز ج ۲ ص ۵۶۳)

" اور اس کا مفاد یہ ہے کہ کل انواع ثلاثہ یعنی اونٹ، ایک ہزار دینار اور دس ہزار درہم اصول ہیں۔ اور اس پر ہمارے اصحاب کا عمل ہے"۔
(در المنتقی بہامش مجمع الانہر ج ۲ ص ۶۳۹)

" اور ان اموال ثلاثہ کے بغیر دیت نہیں ہے یعنی سونا، چاندی اور اونٹ۔ اور یہی امام اعظم کا مذہب ہے"۔ (مجمع الانہر ج ۳ ص ۶۳۸)

" اور اس میں کوئی خلاف نہیں کہ دیت کی مقدار اونٹوں میں سے سو ہو اور دنانیر میں ایک ہزار ہے اور دراہم میں دس ہزار ہیں۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۴۶)

نقدین کی دیت میں اضافہ نہیں کیا جائیگا

" اور جوہرۃ النیرہ میں ہے کہ چاندی کی مقررہ دیت دس ہزار درہم میں اضافہ نہیں کیا جائے گا اور نہ سونے

کی دیت ایک ہزار دینار میں اضافہ کیا جائے گا" (رد المختار ج ۵ صـ ۲۰۶)

دیت اونٹوں کے ساتھ مختص نہیں "اور درر البحار میں ہے کہ ائمہ نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ سونے کی دیت قتل خطاء اور شبہ عمد میں ایک ہزار دینار ہیں۔ پس یہ عبارت اس امر میں صریح الدلالت ہے کہ شبہ عمد کی دیت اونٹوں کے ساتھ مختص نہیں" (شامی ج ۵ صـ ۴۰۶)

اونٹ دستیاب بھی ہوں تو نقدین کا دیت میں لینا جائز ہے "حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اونٹ دستیاب بھی ہوں تب بھی ان کی بجائے درہم و دینار کا دیت میں لینا جائز ہے لیکن ان تین اقسام یعنی اونٹ، سونا اور چاندی کے علاوہ کسی اور شکل میں (دیت) ثابت نہیں ہے"

(الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۵ صـ ۲۹۷)

فتاویٰ عالمگیری کے دو مسئلے "اور جو دیت قتل نفس کے سبب واجب ہوتی ہے وہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک تین چیزوں سے ادا کی جاتی ہے اونٹ سونا اور چاندی" (عالمگیری ج ۶ صـ ۲۴)

قول امام اعظم ابو حنیفہؒ "امام اعظم نے فرمایا کہ اونٹ میں سو اونٹ اور سونے میں سے ایک ہزار دینار اور چاندی میں سے دس ہزار درہم ہیں"

(عالمگیری ج ۶ صـ ۲۴)

دیت میں تغلیظ اونٹوں کے ساتھ مخصوص ہے "اور تغلیظ ثابت نہیں ہوتی مگر خاص اونٹوں میں جس کا مطلب یہ ہے کہ اونٹوں کے سوا دراہم اور دنانیر میں دس ہزار درہم اور ایک ہزار دینار پر زیادہ نہیں کیا جائے گا"

(عنایہ بہامش فتح القدیر ج ۹ صـ ۲۰۶)

نقدین کی دیت میں عدم اضافہ پر اجماع ہے "اور حق یہ ہے کہ تغلیظ نہیں مگر اونٹوں میں پس اگر حاکم نے اونٹوں کے بغیر نقدین کی دیت کی مقررہ مقدار میں زیادہ دینے کا حکم کیا۔ تو وہ نافذ نہ ہوگا کیونکہ اس میں کوئی اثر وارد نہیں ہے اور اسی پر اجماع ہے" (دار المنتقی بہامش مجمع الانہر ج ۲ صـ ۶۳۸)

حاصل کلام یہ کہ اونٹوں کی تعداد اور نقدین کی مقررہ دیت کی مقدار میں اضافہ خلاف اجماع اور

ناجائز ہے ۔

انواع ثلاثہ میں تعین کا اختیار یہ مسئلہ واضح کیا جا چکا ہے ۔ کہ انواع ثلاثہ میں ہر نوع مستقل اور اصل دیت ہے اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ اختیار قاتل کو حاصل ہے کہ وہ جس نوع کی دیت اپنے لیے پسند کرے ۔ وہی ادا کرے بعض فقہاء کرام نے یہ بھی کہا ہے کہ تعین مقتول کے وارثوں کی رضامندی سے ہو سکتا ہے ۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ تعین قاضی یعنی حاکم مجاز ہی کر سکتا ہے ۔ بالفاظ دیگر حکومت کی متعین کردہ دیت نافذ العمل ہوگی ۔ اور اسلامی حکومتوں کا اسی پر عمل رہا ہے ۔ بہرحال ان سب باتوں کا حاصل یہ ہے ۔ کہ سو اونٹ یا ان کی قیمت اصل دیت نہیں ہے جس پر انحصار کیا جاتے ۔ یہاں اس بارے میں مزید چند مسائل پیش کیے جاتے ہیں ۔

قاتل کو تعین کا اختیار ہے امام فخر الدین زیلعی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں لکھتے ہیں ۔

" پھر خیار انہی تینوں انواع میں قاتل کو ہے کیونکہ یہ وہ ہے جس پر دیت واجب ہے تو اختیار بھی اسی کو پہنچتا ہے ۔ جس طرح قسم کے کفارے میں قسم کھانے والے کو اختیار حاصل ہے ۔ اور دیت ثابت نہیں ہے مگر ان ہی تینوں انواع میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک "

(تبیین الحقائق مشہور بہ زیلعی ج ۶ ص ۱۲۸)

تشریح :۔ قسم توڑنے کا کفارہ تین چیزوں سے ادا کیا جاتا ہے ۔ غلام آزاد کرانا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ان کو کپڑے پہنانا ۔ اور اگر تینوں باتوں سے عاجز ہو تو تین دن کے روزے رکھے ۔

امام زیلعی کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح قسم توڑنے والے کو اس کے کفارہ میں مذکورہ تین چیزوں میں سے ہر ایک کا اختیار حاصل ہے ۔ اسی طرح قاتل کو بھی اختیار حاصل ہے کہ وہ قتل کی تینوں دیتوں (سو اونٹ ، سونے کے ایک ہزار دینار یا چاندی کے دس ہزار درہم) میں سے جو دیت چاہے ادا کرے ۔ سو اونٹوں کی دیت یا ان کی قیمت پر انحصار نہیں ۔

تعین پر حکام کا عمل " اور تین دیتوں میں سے ایک کا تعین مقتول کے وارثوں کی رضامندی سے یا حاکم کے حکم سے ہوتا ہے اور اسی پر حکام کا عمل جاری ہے ۔ اور کہا گیا ہے کہ تعین کا اختیار قاتل کو ہے اس کو علامہ شہستانی نے کہا ہے "

(در المنتقی بہامش مجمع الانہر ج ۲ ص ۶۳۹)

پاکستان کی حکومت نے تین قسم کی دیتوں میں سے چاندی کے دس ہزار درہم کی دیت کا تعین کر کے اسے قصاص و دیت آرڈیننس کے ذریعے نافذ کیا ہے جو فقہ حنفی اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مذہب کے

عین مطابق ہے۔

صاحب بحر الرائق کا مقام بہت بلند ہے یہاں تک کہ ان کو امام ابوحنیفہ ثانی کہا جاتا ہے وہ بھی کہتے ہیں کہ تین قسم کی دیتوں میں سے ایک دیت کے تعین کا اختیار قاتل کو ہے اور اس پر قسماً کی مثال پیش کرتے ہیں اور فرماتے ہیں سوا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک دیت ہی ثابت نہیں ہوتی مگر انہی انواع ثلاثہ میں ۔ یعنی اونٹ یا سونا یا چاندی ۔ ذیل میں ان کی عبارت ملاحظہ ہو۔

" ثم الخيار فى هذه الانواع الثلاثه الى القاتل لانه هو الذى يجب عليه فيكون الخيار اليه كما فى كفارة اليمين ولا تثبت الا من هذه الانواع الثلاثة عند ابى حنيفة رحمه الله " (البحر الرائق ج ۸ ص۳۶۷)

دس ہزار درہم کی دیت کے بارے میں مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب نے جو کچھ کہا ہے۔ مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ بھی اس کے قائل ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

" اور دیت یعنی خون بہا شریعت میں سو اونٹ یا ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہوتے ہیں اور درہم آج کل کے مروّجہ وزن کے اعتبار سے تقریباً ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے تو پوری دیت دو ہزار نو سو سولہ تولے ۸ ماشے چاندی ہوگی یعنی ۳۶ سیر ۳۶ تولے ۸ ماشے۔ (معارف القرآن جلد اوّل ص۴۳۷)

مذکورہ مسائل کا خلاصہ

(۱) یہ کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق اصل دیت ایک نوع یعنی اونٹ یا ان کی قیمت پر منحصر نہیں بلکہ اس کے ساتھ دو انواع اور بھی اصل دیت ہیں یعنی سونا اور چاندی ۔ فقہاء کرام نے ان تینوں انواع میں سے ہر نوع کو اصل دیت قرار دیا ہے جس کی ادائیگی سے قاتل کا ذمّہ فارغ ہو جاتا ہے۔

(۲) یہ کہ قتل عمد اور شبہ عمد میں اونٹوں کی دیت مغلّظہ ہوگی۔

(۳) یہ کہ قتل خطاء میں اونٹوں کی دیت مخففہ ہوگی۔ ان دونوں دیتوں کا تعلق اونٹوں کی اقسام۔ تعدد اور عمروں سے ہے۔

(۴) یہ کہ دیت مغلّظہ اونٹوں سے مختص ہے۔

(۵) یہ کہ اونٹوں کے علاوہ سونے چاندی میں دیت مغلّظہ نہ ہوگی یعنی سونے کے ایک ہزار دینار اور چاندی کے دس ہزار درہم میں اضافہ نہ کیا جائے گا۔

(۶) یہ کہ دیت کے ان تینوں انواع میں تعین کا اختیار قاتل کو حاصل ہے۔

(۷) یہ کہ قاضی یعنی حاکم بالفاظ دیگر حکومت کو تعین کا اختیار ہے جس کو کام میں لاتے ہوئے قصاص و دیت آرڈیننس مجریہ ۱۹۹۱ء میں قتل نفس کی دیت کے لیے چاندی کے دس ہزار درہم مقرر کئے ہیں جن کی قیمت میں حالات کے مطابق کمی بیشی کی جاتی رہے گی۔

(۸) یہ کہ درہم آج کل کے مروجہ وزن کے اعتبار سے تقریباً ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے تو پوری دیت دو ہزار نو سو سولہ تولے ۸ ماشے چاندی ہوگی۔

(بقیہ اسلام کا فلسفہ مصیبت و ابتلاء)

(ان میں وارد ہوا ہے کہ) مجھے اس شخص کی حالت پر تعجب ہے جو جہنم کے وجود کا یقین رکھتا ہے مگر اس کے باوجود ہنستا رہتا ہے، اور تعجب ہے اس شخص پر جسے موت کا یقین ہے مگر اس کے باوجود خوشیاں مناتا رہتا ہے اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو کل کے حساب و عذاب پر یقین رکھتا ہے مگر اس کے باوجود عمل نہیں کرتا"

آنحضورؐ کا ارشاد ہے: "اعمال میں کوشش و مجاہدہ سے کام لو، اگر کمزوری کی وجہ سے (زیادہ) کوشش نہ کرسکو تو پھر گناہوں سے باز رہو" اس لیے کہ معاصی اور گناہوں سے باز رہنا کسی عمل سے رکنے کا نام ہے جبکہ اطاعت کا انجام دینا ایک فعل ہے جو مشکل ہے۔ بکر بن عبداللہ کہتے ہیں: اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو طاقتور ہونے کی صورت میں اپنی قوت و طاقت کو اللہ کی اطاعت میں استعمال کرتا ہے، اور کمزوری کی صورت میں اللہ کی معصیت سے اجتناب کرتا ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی
دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

دولتِ عثمانیہ
اور
مغربی مؤرخین

مدت دراز سے ہمارے مستند مورخین اور محققین کو شدت سے اس بات کا احساس ہے کہ دنیا کی اہم زبانوں میں اب تک دولت عثمانیہ کی کوئی صحیح اور مستند تاریخ مرتب نہیں ہوسکی ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دولتِ عثمانیہ کی تاریخ کا سب سے مکمل اور مستند مواد قدیم ترکی زبان میں ہے ۔ جس سے عموماً مورخین اور مصنفین واقف نہیں ۔ اور اب تو جدید ترکی زبان اور رومن رسم الخط نے قدیم ترکی زبان و ادب اور اس کے علوم و فنون کو خود ترکوں کے لئے اجنبی بنا دیا ہے ۔ ترکی زبان کے بعد دولتِ عثمانیہ کی تاریخ کا سب سے اہم ماخذ یورپین مصنفین کی کتابیں ہیں ۔ دورِ آخر کے عربی، ہندوستانی اور ایرانی مورخین نے دولتِ عثمانیہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا زیادہ تر ماخذ یہی عیسائی اور یورپین مصنفین کی کتابیں ہیں ۔ یورپ کے مورخین نے عموماً سارے ہی عالم اسلام کی تاریخ مسخ کی ہے ۔

"تاریخ اسلام کے سمندر سے جس میں موتیوں اور جواہر کی کثرت ہے انہوں نے صرف سنگریزوں کو چنا اور سجایا ہے عالم اسلام کا گلشن جس میں رنگ برنگے خوشبودار پھولوں کی کمی نہیں ۔ اس میں ان کی نظر محض چند کانٹوں ہی پر پڑتی ہے ۔ انہوں نے تحقیق، ریسرچ اور معروضی مطالعہ کے نام پر اسلامی تاریخ کی واقعی غیر واقعی خامیوں کو اکٹھا کیا ہے ۔ اور اسلامی تاریخ کے سینکڑوں تابناک پہلوؤں اور قابلِ رشک واقعات پر پردے ڈال دیئے ہیں ۔ ان کا یہ متعصبانہ برتاؤ ویسے تو پوری تاریخ اسلام کے ساتھ ہے لیکن بعض تاریخی اور سیاسی محرکات کی بنا پر انہوں نے دولتِ عثمانیہ کی تاریخ پر مشق ستم کیا ہے ۔

ترکوں سے عداوت کا پس منظر

صدیوں تک دولت عثمانیہ یورپ کی استعماری طاقتوں کی راہ میں سدِ سکندری بنی رہی ۔ دولت عثمانیہ کے قیام سے پہلے مسیحی اقوام برابر عالم اسلام کی طرف پیش قدمی کر رہی تھیں ۔ عرب کے ساحلی علاقوں پر ان کی تاخت و تاراج جاری تھی ۔ شام کے ساحلی شہر ان کا

خصوصی نشانہ تھا۔ یورپ کی مسیحی اقوام کا متفقہ فیصلہ تھا کہ جلد از جلد بیت المقدس پر قبضہ کر کے عیسائی حکومت قائم کی جائے۔ کیونکہ بیت المقدس عیسائیوں کا مذہبی شہر ہے۔ عالم اسلام کی خانہ جنگیوں اور لامرکزیت نے اس کا بہترین موقع بھی فراہم کر دیا تھا۔ لیکن ترکوں نے آکر ان کا منصوبہ خاک میں ملا دیا۔ اور سامنے کے شکار سے انہیں محروم کر دیا۔ انہوں نے نہ صرف مسیحی اقوام کو اسلامی سرحدوں سے مار بھگایا بلکہ یورپ میں پیشقدمی شروع کر دی۔

محمد الفاتح نے قسطنطنیہ پر فتح حاصل کر کے پورے یورپ میں صف ماتم بچھا دی۔ کیونکہ قسطنطنیہ کے فتح ہونے کے بعد پورا یورپ ترکوں کی زد میں آگیا۔ عثمانی مجاہدین کے گھوڑوں کے ٹاپوں سے ویانا (اسٹریا کی راجدھانی) کے در و دیوار بھی لرزنے لگے۔ سمندروں کی حکمرانی بھی اہل یورپ سے چھن گئی۔ عثمانی بحری بیڑہ نے یورپ کے متحدہ بحری بیڑہ کو شکست دی۔ ان تاریخی عوامل کی بنا پر یورپ کے بچے بچے کے دل و دماغ ترکوں کی عداوت او نفرت رچ بس گئی۔ یورپ کے مصنفین و مؤرخین کے لئے ترکوں کے بارے میں انصاف سے کام لینا ممکن نہ رہا یورپ کی فضاؤں میں ترک دشمنی کے جو کثیر جراثیم پھیلے ہوئے تھے اُن کا ہر یورپین مصنف و محقق پر اثر انداز ہو بالکل ایک قدرتی اور فطری بات تھی۔

اسی پس منظر کی بنا پر ہمارے چوٹی کے مسلمان محققین نے بار بار یہ بات لکھی کہ ترکوں کی تاریخ کے بارے میں یورپی مصنفین کی تحریروں پر اعتماد کرنا کسی طرح قرین عقل و قیاس نہیں ہے بلکہ بعض حقیقت پسند یورپین مصنفین نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔

علامہ شبلی کا تجزیہ | علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے "سفرنامہ روم و مصر و شام" کے آغاز ہی میں بڑے پتے کی بات لکھی ہے موصوف لکھتے ہیں:-

> میں نے اگرچہ اس کتاب میں ترکوں کی تمدنی یا ملکی حالت سے کچھ بحث نہیں کی تاہم اس کتاب کو پڑھ کر ناظرین کے دل میں ترکوں کی تہذیب و شائستگی کا جو درجہ قائم ہوگا وہ اس سے مختلف ہوگا جو یورپ کے عام لٹریچر سے ظاہر ہوتا ہے۔ یورپ نے کسی زمانہ میں مسلمانوں کے خلاف جو خیالات قائم کر لئے تھے ایک مدت تک وہ اعلانیہ اس طریقہ سے ظاہر کئے جاتے تھے کہ مذہبی تعصب کا رنگ صاف نظر آتا تھا، اور اس وقت قبول عام کا یہی بڑا عمدہ ذریعہ تھا۔ لیکن جب یورپ میں مذہب کا زور گھٹ گیا اور مذہبی ترانے بالکل بے اثر ہو گئے تو اس پالیسی نے دوسرا پہلو بدلا۔ اب یہ طریقہ چنداں مفید نہیں سمجھا جاتا کہ مسلمانوں کی نسبت صاف صاف متعصبانہ الفاظ لکھے

جائیں۔ بلکہ بجائے اس کے یہ دانشمندانہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ کہ اسلامی حکومتوں اسلامی قوموں اسلامی معاشرت کے عیوب تاریخی پیرایہ میں ظاہر کئے جائیں۔ اور عام تصنیفات، قصول، ناولوں، ضرب المثلوں کے ذریعہ سے وہ لٹریچر میں اس طرح جذب ہوجاتے ہیں کہ تحلیل کیمیاوی سے بھی جدا نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ یہ طریقہ کل اسلامی قوموں سے برتا جاتا ہے لیکن اس وقت ہمیں خاص ترکوں سے بحث ہے۔ یورپین لٹریچر پڑھ کر ترکوں کی نسبت تحقیر کے خیالات نہ پیدا ہونا بعینہ ایسا ہے جیسا خواب آور دوا کھا کر نیند کا نہ آنا۔ یورپ میں مصنفین کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس وجہ سے ان میں متعصب، نیک دل، ظاہر بین، دقیق النظر ہر درجہ اور ہر طبقے کے لوگ ہیں۔ لیکن ترکوں کے ذکر میں وہ اختلاف مدارج بالکل زائل ہو جاتا ہے اور ہر ساز سے وہی ایک آواز نکلتی ہے۔

کسی قوم یا کسی شخص کے قابل مدح یا ذم ثابت کرنے کا یہ نہایت آسان طریقہ ہے۔ کہ اس کے حالات و واقعات کی یک رخی تصویر کھینچی جائے اور انصاف یہ ہے کہ یورپ نے اس فریب آمیز طریقہ کو دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ برتا ہے، بے شبہ یورپ میں ایسے فیاض دل بھی ہیں جن کو تعصب سے کچھ واسطہ نہیں لیکن بچپن سے جس قسم کے خیالات میں انہوں نے پرورش پائی ہے ان کے گرد و پیش معلومات کا جو سرمایہ ہے، جو آوازیں ہر طرف سے ان کے کانوں میں آتی ہیں ان چیزوں کے مقابلہ میں ان کی بے تعصبی بھی کچھ کام نہیں دیتی۔

طرہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے عام شاہراہ سے الگ ہو کر کچھ کہا یا لکھا تو یورپ کے نقارخانے میں اس کی آواز طوطی کی آواز سمجھی جاتی ہے ایک انگلش شہزادی نے پندرہ سولہ برس قسطنطنیہ میں رہ کر "دوازدہ سالہ حکومت عبدالحمید ثانی" کے نام سے جو کتاب لکھی ہے اگرچہ اس کے اعتبار کے لئے مصنفہ کی علمی لیاقت، پندرہ سولہ برس کا تجربہ، دریافت حالات کے صحیح وسائل یہ تمام قرائن موجود تھے لیکن چونکہ ترکی کی عیب جوئی میں یورپ کی ہم زبان نہ تھی، اس کو استناد اور اعتماد کا درجہ حاصل نہ ہو سکا۔ ہم نے تعلیم یافتہ اصحاب کو یہ کہتے سنا کہ عجب نہیں کہ یہ کتاب فرضی مصنف کے نام سے خود ترکوں نے لکھی ہو یا اس انگلش شہزادی کو سلطانی

انعامات نے ایسی کتاب لکھنے پر مجبور کیا ہو۔ لیکن یہ کتاب اگر ترکوں کے معائب میں ہوتی تو (ان اشخاص کے نزدیک) اس کا ہر حرف قطعی و یقینی ہوتا۔ پروفیسر ویمبری نے اپنے محققانہ تجربہ سے ترکوں کی تہذیب و شائستگی پر جو مضامین لکھے وہ بھی اسی وجہ سے بے اثر رہے کہ پروفیسر مذکور نے ترکوں کی موجودہ ترقی کا اعتراف کیا تھا۔" (سفرنامہ روم و مصر و شام صہ ۲ تا ۴ مختصراً)

مولانا ابوالکلام آزاد کا جائزہ | مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اپنے شعلہ بار قلم سے لکھتے ہیں :-

"ہم کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کی تمام حکمراں جماعتوں میں ترکوں ہی کی جماعت وہ بدقسمت جماعت ہے جس کے لئے کوئی یورپین دماغ منصف نہیں ہو سکتا یورپ کا پچھلا مورخ ہو، خواہ موجودہ عہد کا مدبر وہ گذشتہ عہد کے بدتر سے بدتر مسلمانوں کی مدح و توصیف کر سکتا ہے جو اب موجود نہیں ہیں، لیکن ان ترکوں کی نہیں کر سکتا جن کی تلواریں پانچ صدیوں سے یورپ کے دل و جگر میں پیوست ہونے کے لئے چمکتی رہی ہیں۔ وہ خلافت بنو امیہ کی ایک بہتر تاریخ لکھ سکتا ہے۔ عباسیہ کے دورِ علم و تمدن کی مدح سرائی کر سکتا ہے۔ صلاح الدین ایوبی تک کو ایک بت کی طرح پوج لے سکتا ہے۔ لیکن وہ ان ترکوں کے لئے کیونکر انصاف کر سکتا ہے جو نہ تو عرب پر قابض ہوئے نہ ایران و عراق پر۔ نہ شام و فلسطین کی حکومت انہیں خوش کر سکی، نہ وسطِ ایشیا کی۔ بالکل تمام مشرق سے بے پرواہ ہو کر یورپ کی طرف بڑھے۔ اس کے عین قلب (قسطنطنیہ) کو مسخر کر لیا، اور اس کی اندرونی آبادیوں تک میں سمندر کی موجوں کی طرح در آئے حتیٰ کہ دار الحکومت آسٹریا کی دیواریں ان کے جولانِ قدم کی ترکتازیوں سے بار بار گرتے گرتے بچ گئیں۔

ترکوں کا یہ وہ جرم ہے جو یورپ کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں کا کوئی موجودہ حکمران خاندان اس جرم (فتح یورپ) میں ان کا شریک نہیں ہے اس لئے ہر حکمران مسلمان اچھا تھا جو یورپ کی طرف متوجہ نہ ہو سکا مگر ہر ترک وحشی و خونخوار ہے اس لئے کہ یورپ کا طلسم سطوت اس کی شمشیر بے نیام سے ٹوٹ گیا۔"

(مسئلہ خلافت اور جزیرہ عرب صہ ۱۲۱)

عالمِ اسلام کے مشہور مصنف و محقق محمد جلال کشک لکھتے ہیں :-

"اگر ہم دولت عثمانیہ کے بارے میں صحیح اور حقیقت پسندانہ رائے قائم کرنا چاہتے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ اہل یورپ کی تحریروں اور آراء سے ہٹ کر حقائق کی تلاش کریں کیونکہ دولت عثمانیہ صلیبی یورپ کے مقابلہ میں آخری اسلامی دیوار تھی جس نے براہ راست عالم اسلام پر صلیبی حملوں کو کم از کم تین صدیوں تک روکے رکھا اور عالم عرب کو چار صدیوں تک یورپین استعمار کے چنگل سے بچائے رکھا۔

قسطنطنیہ جس نے نو صدیوں تک اسلامی حملوں کا مقابلہ کیا تھا۔ اس پر دولت عثمانیہ نے فتح حاصل کر کے ہر یورپین صلیبی کے دل میں خونچکاں زخم پیدا کر دیا یہ زخم اسی وقت پر ہوا جب چار صدیوں تک ایا صوفیا کے میناروں میں اذان کی آوازیں گونجنے کے بعد از سر نو وہاں صلیبیوں کی واپسی ہوئی۔ دولت عثمانیہ ہی نے ویانا کے دروازوں پر دستک دی، مشرقی یورپ کو فتح کیا تھی کہ "ترکی" (جو عموماً اہل یورپ کے یہاں مسلمان کے مترادف ہے) کہہ کر اہل یورپ اپنے بچوں کو ڈراتے تھے اس پس منظر میں یہ بالکل فطری بات تھی کہ دولت عثمانیہ غیر علمی اور غیر منصفانہ پروپیگنڈوں کا نشانہ بنے صلیبی جنگیں جن کا آغاز گیارہویں صدی میں ہوا اس کے علمبردار ابتداءً پرتگالی اور اسپینی تھے۔ اس کے بعد پورا یورپ اس میں شامل ہو گیا۔ یہ صلیبی جنگ ایک ایسی زبردست اسلامی موج سے ٹکرائی جس نے اسلام کو مسیحی سیلاب کی تباہ کاریوں سے بچا لیا، اس تصادم اور مڈبھیڑ نے پورے یورپ میں دولت عثمانیہ کے خلاف کینہ و عداوت کا جذبہ پیدا کر دیا۔

اس توجیہ و تشریح سے قطع نظر ہم دیکھتے ہیں کہ اٹھارہویں صدی کے اواخر سے دولت عثمانیہ کی حیثیت اس شکار کی سی تھی جو استعماری بھیڑیوں کے سامنے آپس میں تقسیم کرنے، نوچنے اور نگل جانے کے لئے ڈال دیا گیا ہو۔ ہر استعماری طاقت دولت عثمانیہ سے ٹکرائی اور اس کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ لیتی تھی۔ فرانس نے شمالی افریقہ اور ساحل شام میں یہ کام کیا۔ برطانیہ نے جزیرۃ العرب کے جنوبی حصہ خلیج، مصر، افریقہ، عراق میں، اٹلی نے طرابلس میں، روس نے اپنی سرحدوں سے ملے ہوئے علاقوں میں۔

اس صورت حال میں یہ بات بالکل طبعی تھی کہ یہ استعماری بھیڑیے دولت عثمانیہ

کے ختم کرنے اور اس کے حصے بخرے کرنے کے لئے کوئی انسانی اور ترقی پسندانہ جواز پیش کرتے، ان کے لئے یہ کہنا ضروری تھا کہ یہ شکار رجعت پسند، کریہہ اور باقی رہنے کے قابل نہیں ہے۔ تاکہ اس پر ان کا حملہ ایک شریفانہ انسانی عمل اور انسانیت کی ترقی کا ایک قدم اور مظلوم اقوام کو ترکی کے مظالم سے رہائی کا ذریعہ قرار پائے — ان وجوہ سے ہمارے لئے لازم ہے کہ دولت عثمانیہ کے بارے میں استعماری اور صلیبی اہل قلم نے جو رائیں قائم کی ہیں اور دولت عثمانیہ کی جو خوفناک تصویر پیش کی ہے انہیں ہم مسترد کر دیں۔ کیونکہ دولت عثمانیہ عہد ماضی میں اور اب بھی علمی اور فکری حملوں کا نشانہ بنی ہے۔ لہٰذا ہمیں یہ سمجھنے کی کوشش کرنا چاہئے کہ تاریخ میں دولت عثمانیہ کا کیا مقام ہے؟ دولت عثمانیہ کا قیام کیسے ہوا اور کیوں ہوا؟ اور اس کا زوال کس طرح ہوا؟"

(القومیۃ والغزو الفکری ص ۱۰۹ تا ۱۱۱ مختصراً)

برنارڈ لوئس کا اعتراف حقیقت برنارڈ لوئس مستشرقین میں مشرق وسطیٰ اور ترکی کے موضوع پر سند کی حیثیت رکھتے ہیں، انہوں نے "اسلام" کے موضوع پر اپنے ایک مقالہ میں لکھا ہے:۔

"یورپ میں لکھی گئی اسلامی تہذیب اور تمدن سے متعلق کتابیں زیادہ تر ایسے حضرات نے لکھی ہیں جو اصل مآخذ کی زبان سے ناواقف تھے۔ یورپ میں مسلمانوں کی فتوحات میں دوررس اثرات کے اعتبار سے عثمانی ترکوں کی فتوحات کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ عثمانی حملوں اور فتوحات کا آغاز چودھویں صدی سے ہوتا ہے۔ عثمانی فتوحات نے یورپ کے بڑے حصے کو یونان۔ بلقان۔ ہنگری اور پولینڈ تک اسلامی حکومت کے زیر نگیں کر لیا۔ یورپی تاریخ کی زیادہ تر کتابیں ان ممالک میں عثمانی حکومت اور اس کے اثرات کو مسخ کر کے پیش کرتی ہیں۔ یہ کتابیں خالصۃً مغربی شواہد پر مبنی ہیں۔ جو زیادہ تر ناقص، گھڑی ہوئی اور غیر معتبر ہیں۔ ان کتابوں میں تاریخ یورپ میں ترکوں کے رول کی افسوسناک حد تک گمراہ کن تعبیر ملتی ہے"۔

(معارف اعظم گڑھ اکتوبر ۱۹۸۳ء ص ۲۶۰ مقالہ اکمل ایوبی بعنوان "مستشرقین اور تاریخ ترکی)

سلطان عبدالحمید خان ثانی کے خلاف پروپیگنڈہ صلیبی، یورپین مصنفین نے ویسے تو پوری دولت عثمانیہ کی تاریخ کو مسخ کرنے کی بھرپور کوشش کی لیکن مختلف اسباب کی بنا پر انہوں نے سب سے زیادہ

سلطان عبدالحمید ثانی کو اپنے پروپیگنڈے کا نشانہ بنایا۔ کیونکہ سلطان عبدالحمید ثانی اس وقت دولت عثمانیہ کے تخت پر متمکن ہوئے جب یہ وسیع سلطنت اپنے زوال کی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ یورپ کی استعماری طاقتیں اسے اب "مردِ مریض" سمجھ کر اس کا ترکہ تقسیم کرنے کے لئے مشورے شروع کر چکی تھیں۔ سلطان عبدالحمید کے تخت نشین ہونے کے بعد ان کی دوا اور تدبیر کی بدولت ترکی کے "مردِ بیمار" نے سنبھالا لیا۔ اس کی توانائیاں لوٹنے لگیں۔ تحریک اتحادِ اسلامی کی وجہ سے یہ امید پیدا ہو گئی کہ عالم اسلام متحد ہو کر یورپ کے سیلاب کے مقابلہ میں سدِ سکندری قائم کر دے گا۔ اور یورپ کے سامراجی عزائم خاک میں مل جائیں گے۔ یورپ کے مساوات وحریت کے علمبردار ممالک جو ترکی کے "مردِ بیمار" کا ترکہ تقسیم کرنے کے لئے بے چین تھے۔ اس نئی صورتحال سے پریشان ہو گئے۔ انہوں نے باہم مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ اس "طبیب" ہی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ جس کی دواؤں اور تدبیروں سے "مردِ بیمار" کی صحت بحال ہو رہی ہے اور توانائی لوٹ رہی ہے یا کم از کم "طبیب" کے اخلاص وہمدردی کے بارے میں مریض کے دل میں شبہات پیدا کر دئے جائیں۔ تاکہ مریض اس کی دوا کا استعمال نہ ترک کر کے جلد اپنی موت مر جائے۔ اس منصوبہ کے تحت مغربی اہلِ قلم اور مغربی صحافت نے سلطان عبدالحمید ثانی کے خلاف پروپیگنڈہ کی مہم بڑے زوروں سے جاری کر دی اور سلطان عبدالحمید کو دولتِ عثمانیہ کے اندر اور اس کے باہر بدنام کرنے کے لئے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا جس میں آخرکار انہیں کامیابی حاصل ہوئی۔ مغرب زدہ مسلم مصنفین نے بھی اپنے "استادوں" کے سُر میں سُر ملایا۔ اور سلطان کی کردار کشی کی مہم میں پورا حصہ لیا۔ ایک مدت تک تو پروپیگنڈہ کا جادو پورا کام کرتا رہا۔ لیکن رفتہ رفتہ انصاف پسند مورخین کو اس بے انصافی کا احساس ہو گیا اور انہوں نے حقائق سے پردہ اٹھانا شروع کیا۔

انوار الجندی لکھتے ہیں :۔

"خلافت اسلامیہ استعمار اور صیہونیت کا ایک اہم نشانہ رہی۔ جب دولتِ عثمانیہ ضعف کے انتہائی مراحل سے گذر رہی تھی اور یورپ کے ممالک ترکی "مردِ بیمار" کو ختم کرنے اور اس کا ترکہ باہم تقسیم کرنے کی سازشیں کر رہے تھے۔ اس وقت سلطان عبدالحمید نے اتحادِ اسلامی کا جھنڈا بلند کرنے اور دولتِ عثمانیہ سے باہر کے مسلمانوں کو متحد بنا کر مغربی استعمار کی راہ میں بڑی دیوار قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اس کی تحریک کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ سلطان نے مسلمانوں کے فکری، سیاسی، اجتماعی اتحاد پر زور دیا۔ قریب تھا کہ عالم اسلام پر تسلط قائم کرنے کا سامراجی منصوبہ اور فلسطین پر قبضہ کرنے کا صیہونی منصوبہ ناکام ہو جائے۔

اسی وقت سے دشمن اسلام طاقتوں نے سلطان عبدالحمید ثانی پر زبردست حملے شروع کر دئے
اور طرح طرح کے الزامات کی بھرمار کردی جن میں سب سے ہلکا استبداد (ڈکٹیٹر شپ)
کا الزام تھا۔ مغربی استعمار کی سازش سے بے خبر بہت سے محققین اور اہل قلم بھی وہی
الزامات دہرانے لگے۔ مغربی استعمار نے خفیہ ماسونی تنظیموں کے ذریعہ جو سالونیکا میں
میں انجمن اتحاد و ترقی پر حاوی تھیں۔ سلطان عبدالحمید کو ختم کرنے کی سازش کی۔ اور سلطان
کی معزولی میں کامیاب ہونے کے بعد ماسونیوں کی سازش سے طرابلس الغرب اٹلی
کے جنگل میں چلا گیا فلسطین یہودیوں کے حوالے ہو گیا۔ انہیں وہاں قیام کی اجازت
مل گئی اور ترکوں اور عربوں کو لڑوا دیا گیا۔ (تاریخ الاسلام فی مواجہۃ التحدیات ص ۲۲۶)

ڈاکٹر احسان حقی لکھتے ہیں۔

دولت عثمانیہ کے تخت پر یکے بعد دیگرے چھتیس سلاطین آئے ان میں ہر طرح کے
سلاطین تھے۔ اچھے بھی برے بھی، کامیاب بھی ناکام بھی۔ عادل بھی ظالم بھی لیکن
تاریخ نے سلطان عبدالحمید ثانی کی طرح کسی دوسرے کی تصویر نہیں بگاڑی اور نہ سلطان
کی طرح کسی دوسرے کو خوفناک حملوں کا نشانہ بنایا گیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہوئی کہ دشمن
طاقتور عظیم بادشاہ سے ڈر کر اس پر الزام تراشی اور بدگوئی کی جرأت نہیں کرتے
تھے اور کمزور بادشاہ کو حقیر سمجھ کر جرح و تنقید کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ سلطان عبدالحمید
کا معاملہ بالکل الگ تھا۔ طاقتور اور عظیم ہونے کی وجہ سے دشمنوں نے اس کے دور
حکومت میں تو اس کے ساتھ بظاہر عزت والا برتاؤ ہی کیا اور اس سے ڈرتے رہے
مگر معزول ہونے کے بعد اس کی کردارکشی اور بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی
انجمن اتحاد و ترقی کے ممبران کے لئے اور جن لوگوں نے عبدالحمید ثانی کو معزول
کرنے میں فکری یا عملی حصہ لیا تھا ان سب کے لئے ضروری تھا کہ اپنے عمل کا جواز ثابت
کرنے کے لئے پروپیگنڈے کے فن سے کام لے کر ایسی افواہیں خوب پھیلائیں جن سے
اس عظیم سلطان کی رسوائی ہو اور عالمی برادری خصوصاً عثمانی قوم میں اس کی بدنامی
ہو اس کی شہرت داغدار ہو۔ دشمن اسلام اہل مغرب جو اسلامی فکر اور اسلامی اتحاد
سے ہراساں تھے۔ انہوں نے سلطان کے خلاف پروپیگنڈہ میں انجمن اتحاد و ترقی کی
بھرپور مدد کی۔ سلطان عبدالحمید کی معزولی کے بعد ایک طویل عرصہ تک زمام اقتدار

سلطان کے مخالفین کے قبضہ میں رہی، ان کے خلاف کچھ بولنا ممکن نہیں تھا۔ مسلسل پروپیگنڈہ سے عوام خصوصاً نوجوان طبقہ (جو اکثر و بیشتر یقین کر لیتا ہے اور صحیح غلط میں تمیز کی صلاحیت نہیں رکھتا) کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ سلطان عبدالحمید کے بارے میں جو کچھ کہا جا رہا ہے۔ شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ چنانچہ وہ لوگ مسلمہ حقیقت کی طرح ان افواہوں پر یقین کر بیٹھے اس کے بعد نئی نسل آئی جس نے سلطان عبدالحمید کا دور خود نہیں دیکھا تھا اور نہ اس دور کے بارے میں اسے براہ راست معلومات تھیں۔ ان کا ذریعہ معلومات سلطان عبدالحمید کے ترک اور مغربی دشمنوں کی تحریریں تھیں اس کے علاوہ ان کے پاس معلومات کا کوئی اور ذریعہ نہیں تھا چنانچہ نئی نسل ان خیالی فرضی معلومات کو جو دشمنان عبدالحمید کی تصنیف کردہ تھیں تاریخ سمجھ کر نقل کرنے لگی۔

سلطان عبدالحمید کے بارے میں بہ کثرت کتابیں لکھی گئیں حتیٰ کہ اس دور میں سلطان کے بارے میں لکھنا کمائی کا ایک ذریعہ بن گیا تھا۔ اور جو مصنف سلطان کے بارے میں جس قدر خیالی افسانے اور بے سروپا تعجب خیز الزامات تراشتا، اس کی کتاب کی اشاعت اسی قدر زیادہ ہوتی۔ اس دور میں جنہوں نے سلطان کے بارے میں قلم اٹھایا سب نے صرف عداوت، بغض، شماتت کے سرچشمہ سے اپنی معلومات حاصل کیں۔ پھر بعد میں لکھنے والوں نے پہلے والے سے تحقیق و تنقیح کے بغیر ہر طرح کی روایات لے لیں جس کی وجہ سے سلطان کی صورت مسخ ہو کر رہ گئی۔

ابتداءً سلطان کے بارے میں لکھنے والے دو طرح کے لوگ تھے، یا تو خود غرض مفاد پرست لوگ تھے (جو اپنی غرض کے لئے ہر سچی جھوٹی بات کی اشاعت کرتے ہیں) یا کرائے والے اہل قلم تھے۔ ان لوگوں نے سلطان کی ایسی تصویر کھینچی جو درندوں سے زیادہ بدنما اور خوفناک تھی حتیٰ کہ سلطان عبدالحمید السلطان الاحمر (خونخوار سلطان) کے لقب سے مشہور ہو گیا۔

لیکن سلطان کی معزولی پر تقریباً ایک صدی گزرنے کے بعد جب "انجمن اتحاد و ترقی" اور "خلافت اسلامیہ" قصہ پارینہ بن چکے ہیں اور عثمانی ایمپائر کا خاتمہ کرنے کے بعد اہل مغرب کو بھی فکر نہیں ہے کہ سلطان عبدالحمید یا دوسرے ترکی کے سلاطین کے بارے میں کیا رائے

قائم کی جا رہی ہے۔ اب ذہن کھلنے لگے اور محققین و دانشوروں میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ تاریخ کا بے لاگ غیر جانبدارانہ مطالعہ کیا جائے۔ اب تحقیق سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ سلطان کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ایک قسم کا پروپیگنڈہ تھا۔

(تاریخ الدولۃ العثمانیہ ص ۱۱۱ تا ۲۷۷)

الحمدللہ عربی زبان میں دولت عثمانیہ کی تاریخ اور کارناموں کے بارے میں کافی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور شائع ہوتی جا رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر عبدالعزیز محمد الشناوی کی کتاب "الدولۃ العثمانیہ دولۃ اسلامیہ مفتری علیہا" خاص طور سے قابل ذکر ہے اس کتاب کی تین ضخیم جلدیں ۱۹۸۳ء تک شائع ہو چکی تھیں۔ اس کتاب میں دولت عثمانیہ کے خلاف کئے جانے والے پروپیگنڈوں کا تحقیقی اور دستاویزی جوابات ہیں۔

دولت عثمانیہ کے آخری دور خصوصاً سلطان عبدالحمید ثانی کے عہد کے بارے میں مغربی اور صیہونی اہل قلم نے زیادہ پروپیگنڈہ کیا اور سلطان عبدالحمید ثانی کی کردار کشی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ لیکن اب حقائق سے پردہ اٹھ رہا ہے۔ سلطان عبدالحمید ثانی کی دو ڈائریاں جن میں سے ایک انہوں نے تخت سلطنت پر متمکن ہونے کے زمانہ میں لکھی اور دوسری معزولی کے بعد تحریر کی۔ یہ دونوں ڈائریاں پہلے ترکی زبان میں شائع ہوئیں اس کے بعد عربی زبان میں دونوں کی اشاعت ہو چکی ہے۔ ان دونوں ڈائریوں نے بہت سے ان حقائق کو بے نقاب کیا ہے جو پروپیگنڈہ کی دبیز تہوں کے نیچے چھپے ہوئے تھے ان دونوں ڈائریوں کے ذریعہ مؤرخین کے سامنے بہت سے چونکا دینے والے انکشافات آئے۔ کچھ عرب مؤرخین نے سلطان عبدالحمید ثانی کے دور سلطنت اور ان کی خدمات کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ کسی نے سلطان عبدالحمید کی مشہور تحریک اتحاد اسلامی پان اسلام ازم کو بحث و تحقیق کا موضوع بنایا اور کسی نے مسئلہ فلسطین کے بارے میں سلطان عبدالحمید ثانی کے موقف پر کتاب تصنیف کی اس طرح عربی زبان میں دولت عثمانیہ کی صحیح تصویر پیش کرنے کے لئے متعدد کامیاب کوششیں ہوئیں لیکن اردو زبان کا دامن ابھی تک ایسی کتابوں سے خالی ہے نصف صدی پہلے تک دولت عثمانیہ کی تاریخ کے جو مراجع میسر تھے انہیں پر مبنی کتابیں اور مقالات اب بھی دولت عثمانیہ کی تاریخ خصوصاً سلطان عبدالحمید ثانی کے عہد کے بارے میں جو نئے مراجع مہیا ہو چکے ہیں ان سے پورا فائدہ اٹھا کر دولت عثمانیہ کی تاریخ لکھی جائے۔ مغربی مؤرخین کے پروپیگنڈے کو بے اثر بنانے کے لئے دولت عثمانیہ کی صحیح تاریخ اور اس کے کارنامے سپرد قلم کئے جائیں اور اردو خواں نسل کو بتایا جائے کہ اسلام دشمن طاقتیں کن کن راہوں سے اسلامی تاریخ پر حملہ کرتی ہیں اور مسلمان کس سادہ لوحی کے ساتھ اسلام دشمن طاقتوں کے پروپیگنڈہ کے شکار ہو جاتے ہیں دولت عثمانیہ کی تاریخ اگر صحیح طور پر مرتب ہو جائے تو اس میں مسلمانوں کیلئے کافی سرمایہ عبرت موجود ہے اس کا مطالعہ کر کے مسلمان اسلام دشمن طاقتوں، باریک چالوں سے واقف ہو سکتے ہیں اور مستقبل میں انکی سازشوں کا شکار ہونے اور ان کے آلہ کار بننے سے بچ سکتے ہیں۔

ٹینڈر نوٹس

زیر دستخطی کو مالاکنڈ ایجنسی کے ہسپتالوں، ڈسپنسریوں، بیسک ہیلتھ یونٹوں اور رورل ہیلتھ سنٹر سخاکوٹ کے لیے ڈائریکٹر ہیلتھ سروسز صوبہ سرحد کے منظور شدہ مینوفیکچرز اور سپلائرز فرموں سے سربمہر ٹینڈر برائے درج ذیل اشیاء مطلوب ہیں۔

(۱) انسٹرومنٹ۔ ایکوپمنٹ (۲) بیڈنگ کلوزنگ (۳) لیبارٹری کیمیکلز (۴) فرنیچرز (۵) کانٹی جنسی ایٹم (۶) کرج برائے WFP اشیاء از دفتر DHO بٹ خیلہ تا مختلف ہیلتھ یونٹس۔

درج بالا اشیاء کی ٹینڈر دفتر زیر دستخطی کو مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۹۱ء تک رجسٹری پہنچ جانی چاہیئے۔ کوٹیشن اگلے روز مورخہ ۱۱ دسمبر ۱۹۹۱ء کو بوقت ۱۰ بجے صبح زیر دستخطی کے دفتر میں کھلے جائیں گے۔

کوٹیشن دینے کی شرائط درج ذیل ہیں

(۱) لفافوں پر لفظ کوٹیشن برائے "   " ضرور لکھنا ہوگا۔ (۲) مطلوبہ تاریخ کے بعد وصول ہونے والا کسی بھی کوٹیشن پر غور نہیں کیا جائے گا۔ (۳) کٹے پٹے اور مشکوک نرخ قابل غور نہیں ہونگے۔ (۴) ٹینڈر برائے انسٹرومنٹ ایکوپمنٹ۔ بیڈنگ کلوزنگ۔ لیبارٹری کیمیکلز۔ کانٹی جنسی ایٹم اور کرج ریٹ علیحدہ علیحدہ لفافوں میں بھیجنا ضروری ہوگا۔ (۵) نرخ ۳۰ جون ۱۹۹۲ء تک قابل قبول ہوں گے۔ (۶) پلائی FOR دفتر ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر بٹ خیلہ کرنی ہوگی۔ (۷) بیڈنگ۔ کلوزنگ کے لیے جہاں ضروری ہو۔ نمونہ کوٹیشن کے ہمراہ منسلک کرنا ہوگا۔ (۸) انسٹرومنٹ۔ ایکوپمنٹ اور کیمیکلز کا مکمل ساخت۔ مقدار۔ سائز ضرور لکھنا ہوگا۔ (۹) جہاں ضروری ہو اس ایٹم کا کیٹیلاگ ضرور منسلک کرنا ہوگا۔

درج ذیل کال ڈیپازٹ کوٹیشن کے ہمراہ ضرور منسلک کرنے ہونگے۔

کال ڈیپازٹ برائے انسٹرومنٹ۔ ایکوپمنٹ   مبلغ ۵۰۰۰/- روپے
" " " لیبارٹری کیمیکلز   مبلغ ۲۰۰۰/- روپے
" " " بیڈنگ۔ کلوزنگ   مبلغ ۲۰۰۰/- روپے
" " " فرنیچرز   مبلغ ۲۰۰۰/- روپے
" " " کرج   مبلغ ۵۰۰/- روپے

تمام اشیاء کی لسٹ دفتر ہذا سے کسی بھی اوقات کار میں مل سکتے ہیں زیر دستخطی کو اختیار حاصل ہوگا کہ وہ وجہ بتائے بغیر کسی ایک یا تمام ٹینڈر منظور یا نامنظور کریں۔

المشتہر: ڈاکٹر محمد گل روزخان
DHO مالاکنڈ بمقام بٹ خیلہ

INF (P) ۳۷۴۳
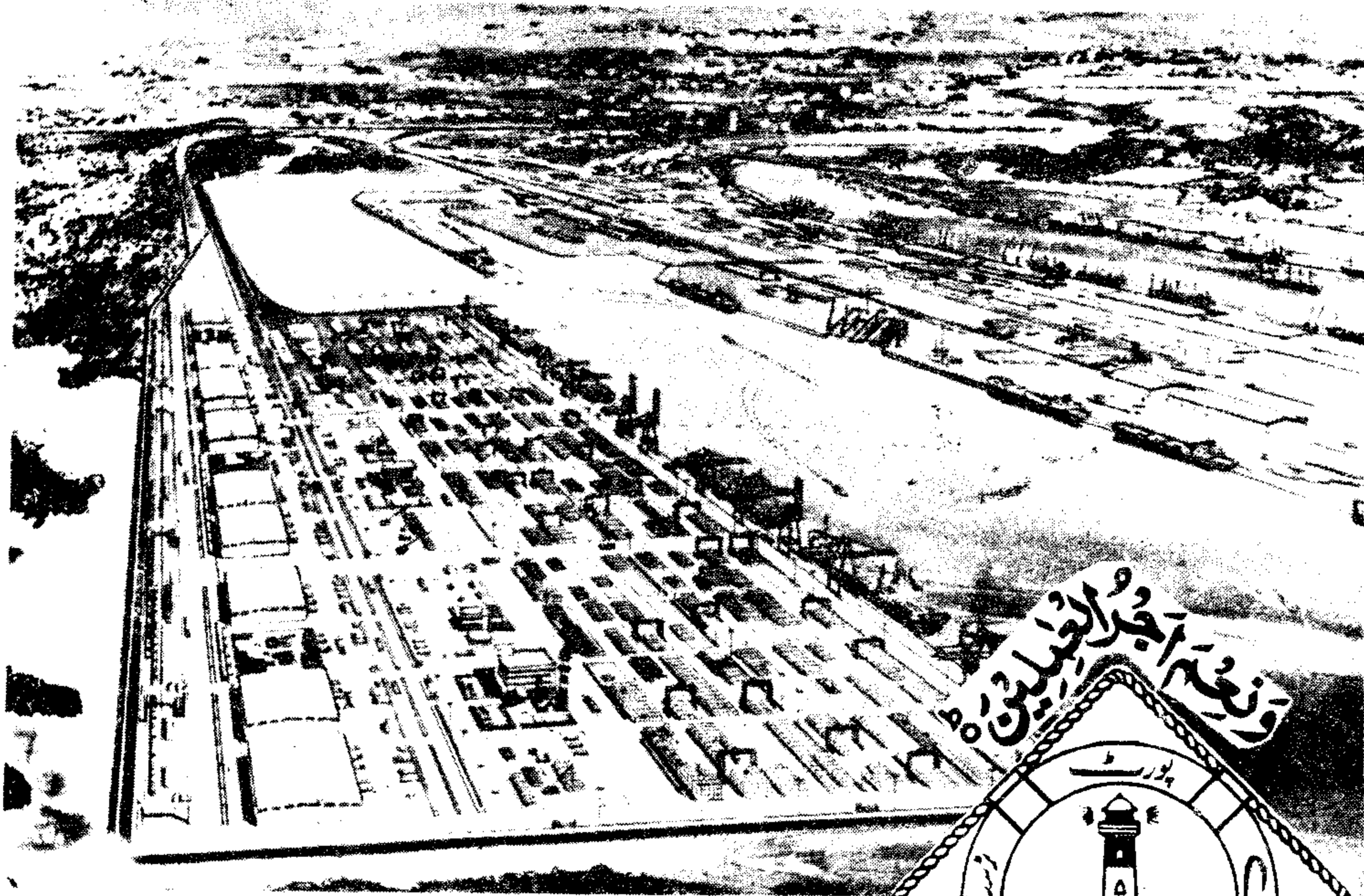
مولانا عبدالقیوم حقانی

تعارف و تبصرۂ کتب

تذکرہ کاتب وحی سیدنا امیر معاویہؓ | از حضرت مولانا قیام الدین الحسینی — صفحات ۲۴۰ —
ناشر ادارہ نشر و اشاعت پنڈ دادنخان ضلع جہلم —

حضرات صحابہ کرام حق کا معیار، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تلامذہ اوّلین، علوم نبوت کے امین اور علوم و معارف کے شارح و آخذ ہیں ان سے عقیدت و محبت ایمان کی علامت اور ان سے بغض و عداوت منافقت اور ضلالت ہے یوں تو ہر صحابی اپنی جگہ نجم ہدایت ہے مگر خلفاء راشدین کو تمام صحابہ کرام پر خصوصی فضل و تفوق حاصل ہے اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے متعدد کمالات اور فضائل و مناقب کی وجہ سے حضرات صحابہؓ میں خصوصی امتیاز اور اہم رتبہ حاصل ہے حضرت علیؓ سے آپ کے سیاسی اختلافات ہوتے اجتہادی آراء میں اختلاف ہوا مگر اس کے باوجود وہ آپس میں رحماء بینہم کی تصویر تھے۔

مگر متعصب مورخین، صحابہ کرام کے معاندین اور بعض نادان اور کوتاہ نظر محبین نے حضرت امیر معاویہؓ کو اپنی جدید تاریخی تحقیقات اور اپنی قلم کاریوں کا ہدف تنقید بنایا تاہم اہل حق بحمد للہ اس سے بھی غافل نہیں رہے حضرت مجدد الف ثانی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی جیسے یگانہ روزگار علماء محققین نے اہل باطل کی تاریخی تحریفات، تحریری تلبیسات کی حقیقت واضح کی اور دندان شکن جوابات دیتے اور ایسے فیصلے تحریر کئے کہ باطل سے آج تک اس کا جواب نہ بن پڑا۔

موجودہ دور میں پھر وہی جاہلیت قدیمہ، وہی پرانی سبائیت، وہی ابن سبا کی ذریت، نئے انداز میں نئے طرز تحریر میں اور نئے نعرہ و للکار کے ساتھ کاتب وحی خال المسلمین حضرت امیر معاویہؓ کی ذات بابرکات پر حملہ آور ہے اور عظمت صحابہؓ کو تاراج کر کے دین اسلام کی عمارت کو دھڑام سے گرانے پر آمادہ ہے ضرورت تھی کہ علماء، اہل قلم، مفکرین اور محبانِ صحابہ نئے دور جدید تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر حضرت امیر معاویہؓ کے محاسن و مناقب، ان کی عظمت و جلالت شان، ان کا رتبہ و منزلت پر جامع انداز میں لکھیں برادر مکرم

حضرت علامہ مولانا قاری قیام الدین صاحب کو اللہ جزائے خیر دے انہوں نے حدود رجہ سہل، آسان، سلیس مگر ادب و شستگی سے بھرپور اور شگفتہ انداز میں مستند اور ناقابل انکار تاریخی حوالوں کے ساتھ حضرت امیر معاویہ پر ایک اچھوتی اور البیلی تصنیف "تذکرہ کاتب وحی سیدنا امیر معاویہؓ" کے نام سے لکھ کر امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا ہے انداز اور انتخاب آنا پیارا کہ جب تک کتاب ختم نہ ہونے پائے دوسرے کام میں جی نہیں لگتا۔ کتابت و طباعت عمدہ اور قیمت معقول ہے۔

وفود عرب بارگاہِ نبویؐ میں | از جناب طالب الہاشمی ــــ صفحات ۲۹۶ ــــ قیمت ۶۰ روپے
ناشر پبلیکیشنز، فضل الٰہی مارکیٹ، اردو بازار لاہور

سیرت النبیؐ، صحابہ کرامؓ، صحابیاتؓ اور دیگر بزرگان دین کے بارے میں درجنوں کتابوں کے مصنف و مؤلف علامہ طالب الہاشمی کی گرانقدر علمی خدمات میں سیرت نگاری و سوانح نگاری میں انہوں نے تن تنہا اس قدر علمی ذخیرہ یکجا مرتب کر کے طبع کرایا ہے جو کئی اداروں کا کام تھا گویا ع

وہ اپنی ذات میں اک انجمن ہیں

موصوف کی تازہ ترین کتاب "وفود عرب بارگاہِ نبویؐ میں" سیرت نگاری کے ہمہ وقت وسعت پذیر باب میں ایک اور بیش بہا اضافہ ہے۔ سفارت قدیم زمانے سے مختلف افراد اور قوموں کے درمیان ربط و تعلق کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اور یہ کام وفود بھیج کر لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو، جس منصب جلیلہ پر فائز فرمایا، اس میں وفود کا کردار اور بھی زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ ان کے ذریعہ فروغ اسلام کا کام اس قدر تیز ہوا ہے کہ ہجرت کے بعد محض دس سال کی مدت میں اسلامی ریاست کا رقبہ دس سے بارہ لاکھ مربع میل تک وسیع ہو گیا۔

وفود عرب کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے مقاصد مختلف تھے۔ مثلاً وہ قبول اسلام تفقہ فی الدین مفاخرت، معاہدہ، صلح و امن، تعبیر خواب اور مناظرہ وغیرہ۔

زیر نظر کتاب میں مولف نے ایک سو وفود کے حالات بیان کئے ہیں۔ جنہیں پڑھ کر اس زمانے کے عرب قبائل کی ذہنی کیفیت ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز رشد و ہدایت کا نقشہ قاری کے ذہن میں نقش ہو جاتا ہے۔ کتاب میں ان دو وفدوں کا ذکر بھی شامل ہے۔ جو حبش سے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے تھے ان عرب قبائل کا مختصر تعارف بھی کتاب کا ایک اہم حصہ ہے جس کے وفود کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تھی کتاب میں عالم عرب کا نقشہ بھی شامل ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قبائل کہاں کہاں آباد تھے۔ اور کتنے دور دراز علاقوں سے چل کر بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تھے

کتاب کا پیش لفظ ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی نے لکھا ہے ۔ جو بجائے خود ایک وقیع تحریر ہے ۔ مضبوط جلد سادہ دلکش سرورق اور سفید کاغذ پر صاف ستھری طباعت کے باوجود کتاب کی قیمت موزوں ہے ۔

عہد نبوی کا اسلامی تمدن | از مولانا رضی الدین احمد فخری ــــ صفحات ۴۸۳ ــــ قیمت درج نہیں
ناشر ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ ۔ ۴۳/ ۷ ڈی گارڈن ایسٹ ۔
نزد لسبیلہ چوک کراچی ۵

عہد نبوی کا تمدن علامہ کبیر، امام حافظ الحدیث سید عبدالحی الکتانی المتوفی ۱۳۸۲ھ کی عظیم تاریخی اور شاہکار عربی تصنیف " التراتیب الاداریہ " کا اختصار اور سلیس اردو ترجمہ ہے علامہ کتانی اپنی وسعت نظر علمی تبحر، جامعیت اور گرانقدر دینی و علمی خدمات اور تصانیف کے اعتبار سے تمام افریقی ممالک میں ممتاز تھے ان کی تمام تصنیفات میں " التراتیب الاداریہ " ایک اچھوتے موضوع پر وہ قابل قدر کتاب ہے جو ہمیشہ سے اہل علم ونظر کے لیے معتمد رہی ہے اور ہر دور میں علمی اور تحقیقی حلقوں میں اس سے بہت استفادہ کیا گیا ہے کتاب میں نبوی دور حکومت کا ایک مختصر مگر جامع خاکہ ہے جس کے مطالعہ سے عہد نبوی کے تہذیب و تمدن ، وزارت و خلافت، حکومتی نظم ونسق ، رجال کار ، صنعت و حرفت، تجارت و امارت، تعلیم و تربیت، مناصب و وظائف، حرب و صلح، بیع و شراء ، نقود وعملہ ، فنون لطیفہ، تربیت بدنیہ، ریاضت وسیاحت خدم اور ان سے متعلق خصوصی خدمات وغیرہ تمام امور کا یہ اختصار جائزہ لیا گیا ہے ۔ محترم حضرت مولانا سید رضی الدین فخری صاحب نے علمی ذوق اور جذبہ اشاعت دین کے پیش نظر اولاً ایک محقق عالم دین سے اس کا اختصار اور سلیس اردو ترجمہ کرایا پھر زبان اور ترتیب کے نقطۂ نظر سے اس میں مزید اصلاحات کر کے انسے " عہد نبوی کا اسلامی تمدن " کے نام سے شائع کر دیا ہے کتاب واقعۃً عہد نبوی کی تمدنی تاریخ کا خزینہ، علوم معارف دینیہ و تاریخیہ کا گنجینہ ہے انداز دلچسپ شستہ اور علمی ہے " ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ " کے منتظمین اس لحاظ سے قابل تبریک ہیں کہ انہوں نے حسب روایت اس کتاب کو بھی عمدہ کاغذ ، بہترین کتابت، مضبوط جلد بندی اور شاندار طباعت کے ساتھ منظر عام پر لاتے ہیں ہمیں یقین ہے کہ علمی و دینی اور تحقیقی حلقے اس کی قدر کریں اس کتاب کے بغیر کسی بھی لائبریری کو معیاری نہیں قرار دیا جا سکتا ۔